Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

A Research and Critical Analysis of Mustansar Hussain Tarar's Historical Novel "Raakh"

مستنصر کے تاریخی ناول " راکھ" کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

افشاں گل

سیالکوٹ ،یونیورسٹی ویمن کالج گورنمنٹ ، (اردو) ڈی ایچ پی سکالر

طیب عباس طاہر ڈاکٹر

سیالکوٹ ،یونیورسٹی ویمن کالج گورنمنٹ ،پروفیسر اسسٹنٹ

Abstract

This research critically analyzes Mustansar Hussain Tarar's historical novel "Raakh", which is considered one of the most significant historical novels in Urdu literature. The study explores the novel's themes, narrative style, and character development, emphasizing its reflection on Pakistan's political, social, cultural, and religious history. Many critics regard Raakh as a representation of Pakistan's first fifty years, depicting major historical events such as the Partition of India, the 1965 and 1971 wars, and the political turmoil that followed. The novel delves into the psychological impact of historical traumas, illustrating the emotional and ideological struggles of its characters. It presents history not merely as a record of past events but as an ongoing cycle of human suffering and resilience. The research evaluates the novel's structure and the effectiveness of its symbolic elements, particularly how Raakh (ashes) metaphorically represents destruction, loss, and the remnants of a fading civilization. While many scholars praise the novel for its historical depth and literary excellence, some critique its character development and non-linear narrative. The study also discusses the philosophical undertones of the

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

novel, highlighting its commentary on power, morality, and the consequences of political decisions. Ultimately, Raakh emerges as a powerful literary work that not only revisits historical realities but also compels readers to reflect on their collective past and future.

Key Words: Historical Fiction, Partition of India, Pakistani Politics, War and Conflict, National Identity Psychological Trauma, Mustansar Hussain Tarar, Social and Cultural Criticism, Philosophical Reflection, Symbolism in Literature

کلیدی الفاظ

تاریخی ناول، تقسیم ہند، پاکستانی سیاست، جنگ اور تنازع، قومی شناخت، نفسیاتی صدمہ، مستنصر حسین تارڑ، سماجی اور ثقافتی تنقید، فلسفیانہ تجزیہ، ادب میں علامتی اظہار

مستنصر حسین تارڑ ادبی دنیا کا درخشاں ستارہ ہیں اور اس حوالے سے کثیر الجہت شخصیت کے مالک ہیں۔ میدانِ ادب میں انہوں نے آل راؤنڈر کا کردار ادا کیا ہے اور اپنی محنت سے اپنی ذہانت اور صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے۔ اداکاری، ڈرامہ نویسی، سفر نامہ نگاری ،ناول نگاری، افسانہ نگاری اور کالم نگاری میں ایسا رنگ جمایا کہ وہ وقت کے ساتھ گہرا اور پکا ہوتا گیا ہے۔ ان کی تحریریں زندگی کے ہر رنگ کی عکاس ہیں اور ہر رنگ ایسا جاندار کہ قاری ہر کیفیت میں ڈوب کر مسحور ہو جاتا ہے۔ ان کے ناولوں میں تاریخ کا گہرا رنگ نظر آتا ہے۔ اس حوالے سے ان کے ناول "راکھ" کو بلاشبہ اردو کے اہم ترین تاریخی ناولوں میں جگہ دی جا سکتی ہے۔ ناول کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تو اس میں بالترتیب سیاسی، سماجی اور تہذیبی و ثقافتی اور مذہبی تنقید کا رجحان سب سے زیادہ واضح نظر آتا ہے۔ سیاسی بے راہ روی جس قسم کے اثرات پیدا کر سکتی ہے اور جس قسم کے مسائل کو جنم دے سکتی ہے، اس کی جھلک اس ناول میں سب سے زیادہ واضح دکھائی دیتی ہے۔ اسی لیے اس ناول کو بہت سے ناقدین نے پاکستان کے پہلے پچاس سال کی تاریخ قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر صلاح الدین درویش اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں اس ضمن میں تحریر کرتے ہیں کہ

> "مستنصر حسین تارڑ نے اس ناول کے ذریعے پاکستان کی پوری تہذیب اور تاریخ کے المیوں کو ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ جب پاکستان وجود میں آیا تو کروڑوں مسلمانوں کے خون کی کئی ندیاں عبور کر کے اپنے اس نئے وطن کی

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

سرزمین پر قدم رکھا لیکن خون کا یہ سفر یہاں ختم نہ ہوا اور 1965 اور
1971 میں ایک بار پھر تاریخ نے اپنے آپ کو اس طرح دہرایا کہ اس طویل
خونی سفر نے ان کو ذہنی اور جذباتی طور پر کھوکھلا کر کے رکھ دیا تھا۔i"

ڈاکٹر بادشاہ ملک "راکھ" کے مرکزی نکتے پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ اپنے تمام تر واقعات اور اس کی ترتیبات کے ساتھ ناول کا ایک سنجیدہ مقصد ہے۔ یہ مقصد ہمیں اپنے ماضی پر نظر دوڑانے اور حال کا تعین کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ ان کے خیال میں یہ ناول جان دار اور عمدہ موضوعات اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔

"ناول راکھ کا خالق گزشتہ سے سیکھنے اور آئندہ میں صراط مستقیم کو اختیار
کرنے کی بات کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اگر ہم یوں ہی اندھیروں میں سفر
کریں گے اور مقصودات کو پالینے کے لیے ٹھوس لائحہ عمل کا تعین نہیں
کریں گے تو ہم یوں ہی گم راہوں کے قیدی کہلائیں گے۔ii"

جب کہ مبین مرزا "راکھ" کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ یہ ناول ہماری حقیقی تاریخ ہے اور پاکستان کا وہ موجودہ چہرہ ہے جسے ہم سب دیکھ رہے ہیں۔ ناول میں چوں کہ زمان و مکان کا باقاعدہ دورانیہ طے نہیں ہے البتہ کچھ حقائق کی مدد سے جن کا ذکر آگے آئے گا، مثلاً یہ کہ شوبھا ایم بی بی ایس کر رہی ہے اور اس کی پیدائش 1971ء میں ہوئی، یعنی اب وہ کم از کم بیس سال کی عمر میں ہے، اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ ناول 1971ء سے 1990ء اور اس کے کچھ عرصے بعد کے زماں کو زیرِ غور لاتا ہے۔ اسی بات کا اعادہ مبین مرزا نے بھی کیا ہے۔ وہ ناول کے کرداروں اور موضوعیت کو ہدف بناتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"یہ خود ہمارا اپنا معاشرہ ہے، یعنی پاکستانی معاشرہ۔ اس ناول میں ٹائم فریم کا
واضح تعین تو نہیں کیا جاسکتا البتہ بعض متنی حوالوں کی وجہ سے یہ قیاس کیا
جاسکتا ہے کہ قیامِ پاکستان کے فوری بعد کے برسوں سے نوے کی دہائی کے
وسط تک کا زمانی تناظر اس ناول میں قائم کیا گیا ہے۔ ہماری قومی زندگی کے
سماجی، تہذیبی اور سیاسی واقعات کو بھی اس ناول کے تار و پود میں سمویا گیا
ہے۔۔۔ اس ناول میں مصنف کے پیشِ نظر تاریخ و تہذیب کے سوالات

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

ہیں، مثلاً فرد کی انفرادی اور اجتماعی شناخت کا مسئلہ، معاشرے کی امی جمی میں
پڑتی ہوئی دراڑ، افراد کے مابین رونما ہوتی مغائرت، اصل کی جستجو، قدروں کا
انہدام، مال وزر کی فوقیت وغیرہ۔iii"

"راکھ" پر جہاں ناقدین نے مثبت رائے دی ہے، وہیں اس پر سوال بھی اٹھائے ہیں۔ ایسے ہی سوالات اٹھاتا ایک مقالہ ڈاکٹر قیصرہ ناہید نے بھی تحریر کیا ہے جس میں وہ اس کے زمان و مکان اور کرداروں سے بحث کرتی نظر آتی ہیں۔ ان کے مطابق "راکھ" کے کرداروں کو ان کی مکمل اہمیت اور وقعت کے ساتھ اجاگر نہیں کیا گیا۔ اگرچہ کچھ مناظر اور واقعات کو خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے، لیکن کرداروں کی نفسیاتی گہرائی اور ان کے اعمال کے پس منظر کو سمجھانے میں ناول نگار ناکام رہے ہیں۔ مثلاً، کرداروں کے درمیان تعلقات یا ان کے اعمال کے اثرات کو واضح کرنے کے بجائے، وہ واقعات اور تاریخی حوالوں کے بیچ دب کر رہ جاتے ہیں۔ یہ کمی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ناول نگار نے کرداروں کو رنگین اور زندگی سے بھرپور بنانے کی بجائے، ان کے بیان کو جزوی اور سطحی رہنے دیا۔ ڈاکٹر قیصرہ ناہید کے اس بیان کے ضمن میں آگے پلاٹ اور کرداروں پر بحث کی جاچکی ہے۔ ہر کردار اپنی جگہ جاندار اور فعال ہے لیکن وہ جس المیے کا شکار رہے ہیں، اس کے بعد کوئی بھی کردار غیر فعال یا یادِ ماضی میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر قیصرہ کے مطابق ناول کے بیانیے میں تنوع تو موجود ہے، لیکن وہ فنی مہارت کی کمی کے باعث غیر متوازن محسوس ہوتا ہے۔ بیانیے کا یہ انداز قاری کو وقتاً فوقتاً متاثر تو کرتا ہے، لیکن اس میں وہ تسلسل اور شدت نہیں جو ایک جامع ناول کے لیے ضروری ہیں۔ ان کی اس رائے پر بھی مزید تنقید و تبصرہ کیا جاسکتا ہے۔ ان کا بیان دیکھیے:

"نہ تو خط مستقیم میں سفر کرتا ہوا نظر آتا ہے اور نہ ہی اس کی حرکت زمانی
دائروں میں نظر آتی ہے۔ اس ناول میں وقت کا کوئی مربوط اور واضح تصور
ہمیں نہیں ملتا۔۔۔ یوں لگتا ہے کہ جو بات یا واقعہ ناول نگار کے علم میں جس
وقت آیا یا اسے جب بھی سوجھا، اسے وہیں ٹانک دیا ہے۔iv"

ڈاکٹر ثقلین، یہ بیان کرتے ہوئے کہ مستنصر کے ناولوں کی بنیادی رومانوی ہے، اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ ان کے تاریخی ناولوں میں، بالخصوص راکھ، خس و خاشاک زمانے اور قلعہ جنگی میں گہرا سیاسی، سماجی اور تاریخی شعور موجود ہے۔ یہ ناول محض تاریخ ہی نہیں بلکہ حالاتِ حاضرہ کی بھی نمائندگی کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

"مستنصر حسین تارڑ کے ہاں ناول کی ابتدائی صورت رومانوی ہے۔ ان رومانوی ناولوں میں محبت اور جنس کے مظاہر موجود ہیں جن سے قاری کا رشتہ بہت پرانا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ کے وہ چند ناول جن میں ملک کی سیاسی ابتری اور انتشار کی کیفیت ملتی ہے حالاتِ حاضرہ کی مثال ہیں۔ ان ناولوں میں قلعہ جنگی، راکھ اور خس و خاشاک زمانے قابلِ ذکر ہیں۔v"

ڈاکٹر بادشاہِ ملک بھی ڈاکٹر محمد ثقلین کی طرح "راکھ" میں رومانوی رجحانات کی بات کرتے ہیں۔ ان کے مطابق، مستنصر کے ناول "راکھ" (1997) میں قیام پاکستان کے بعد کے رومانوی رجحانات موجود ہیں۔ یہ ناول مختلف حالات و واقعات کا مجموعہ ہے، جس میں منفی سیاست، انسانی حقوق کی پامالی، اور تقسیم ہند کے اثرات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس میں ماضی کی غلطیوں اور ناکارہ اعمال کا ذکر ہے، جن کی وجہ سے معاشرے میں افراتفری پھیلی۔vi

مستنصر کے ناول "راکھ" میں راکھ ایک جامع اور کثیر الجہتی علامت کے طور پر ابھرتی ہے، جو انسانی وجود، تاریخ، اور سماج کے زوال کی عکاسی کرتی ہے۔ راکھ نہ صرف ایک فنا شدہ شے کی باقیات کی نمائندگی کرتی ہے بلکہ یہ ماضی کی ان خوابیدہ حقیقتوں اور امیدوں کی علامت بھی ہے جو زندگی کی تپش میں جل کر تحلیل ہو چکی ہیں۔ اس راکھ کا تعلق مستنصر شاہ عالمی میں لگنے والی آگ اور اس کے نتیجے میں پھیلنے والی راکھ سے بتاتے ہیں جو ان کے چہروں پر سوتے جاگتے اڑتی اور ٹھہرتی رہتی تھی۔ ناول کا یہ حصہ دیکھیے:

"وہاں حویلیوں، مندروں اور تاریک گلیوں بازاروں کی بجائے سرما کے آغاز کی دھوپ میں تاحد نظر کھنڈر تھے۔ چھوٹے بڑے ٹیلے۔ جل کر تباہ ہونے والی عمارت کے حجم کے مطابق... اگر ایک حویلی تھی تو اُس کا کھنڈر بلند اور اگر کسی غریب کی کٹیا اور شاہ عالمی میں صرف دولت والے ہی نہیں عام لوگ بھی رہتے تھے اور غریب کی کٹیا کا چھوٹا سا ٹیلا۔ اگر اس منظر کو فضا سے دیکھا جاتا تو یہ کچھ کچھ ہیروشیما کا حصہ لگتا۔ لیکن شہر کا کسی حد تک سلامت تھا۔ صرف شاہ عالمی کا نشان مٹا تھا۔vii"

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

ناول کے اس حصے کو انھوں نے اپنے ایک مصاحبے میں بیان کیا ہے کہ بالکل سچ ہے اور یہی اس ناول کا محرک بھی ہے۔اس کی مزید وضاحت وہ اپنے ایک انٹرویو میں کرتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ ناامید اور مایوس نہیں ہیں۔کیوں کہ انھیں امید ہے کہ اسی راکھ کے نیچے سے نئی چنگاری برآمد ہوگی اور پھر سے الاؤ روشن ہوں گے۔یعنی ابھی سب کچھ ختم نہیں ہو چکا،بہت کچھ بچایا جا سکتا ہے۔

"راکھ بہاؤ کا تسلسل ہے۔راکھ لکشمی مینشن، شاہ عالمی کی عمارتوں سے اڑی اور ہمارے چہرے ڈھک گئے۔ابھی اس کو پونچھ بھی نہ سکے تھے کہ مشرقی پاکستان کی راکھ نے پورے چہرے کو چھپالیا۔راکھ سمبل ہے تہذیب کے ختم ہونے کا۔راکھ میں چنگاری ہوتی ہے۔یعنی آس اور امید کا ختم نہ ہونے والا سلسلہ۔۔۔راکھ میں اظہار اور شوبھا کی شادی ہو جاتی ہے۔اظہار پاکستان سے اور شوبھا مشرقی پاکستان کے حوالے سے ۔ یعنی ہم تعلق ختم نہیں کر سکتے۔اگر مشرقی پاکستان کو الگ کر دیں تو باقی کچھ نہیں رہ جاتا۔viii"

اسی بات کا اعادہ محسن خالد اور امامہ ریاست بھی اپنے مقالے میں اس طرح کرتے ہی کہ تارڑ نے "راکھ" میں محض ایک نسل نہیں بلکہ تمام نسلوں کے لیے ایک سبق ہے۔ناول میں بیان کی گئی کہانیاں ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ تاریخ ہمیشہ دہراتی ہے اور ہمیں اپنے ماضی سے سبق لینا چاہیے تاکہ ہم مستقبل میں ان غلطیوں کو نہ دہرائیں۔"راکھ" میں مصنف نے ایک طرف تو معاشرے کے اندر پائی جانے والی نفرت اور تعصب کو بے نقاب کیا گیا ہے تو دوسری طرف محبت، وفا اور انسانیت کی بھی خوبصورت مثال پیش کی ہے۔ناول میں موجود کرداروں کے ذریعے مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ انسانیت کے بنیادی اصولوں کو کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔

""اس میں زندگی کی ایسی چنگاریاں بھی جلتی اور بھٹیک نظر آتی ہیں جو ہماری اجتماعی زندگی کی اونچ نیچ کا احاطہ کرتے ہوئے غیرت و حمیت کو ہوا دیتی ہیں اور اپنی حرارت سے زندگی کو جلا بخشتی ہیں۔۔یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ماضی میں ایسے بہت سے لوگ گزرے ہیں جو اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کے تحت دیگر انسانوں کے جذبات کو مجروح کرتے اور خود کو حرف بہ

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

حرف درست سمجھتے تھے لیکن پھر تاریخ نے بھی یہ ثابت کیا کہ ایسے لوگ کبھی کوئی نمایاں مقام حاصل نہ کر سکے۔ix"

ڈاکٹر محمد افضال راکھ کی موضوعی تنقید پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ بنیادی طور پر ان سیاسی مسائل کی وجہ سے ہوا جن کا حل تاحال ہمارے پاس نہیں ہے۔ وہ اس کی ذمہ داری بھارت کے سر پر ڈالتے ہیں۔ ناول میں بہر حال اس کی جڑی بے شک سیاسی ہیں لیکن سب کچھ محض بھارت کے سر نہیں ڈالا جا سکتا۔ اس میں ہماری اپنی کمی کوتاہیوں کو تسلیم کیے اور ان سے آگے جائے بنا گزارہ نہیں ہے ورنہ ہم ہمیشہ اسی راکھ میں زندہ رہیں گے جس کا وجود اب کچھ کچھ کم ہونے لگا ہے۔

"راکھ "میں جمہوریت کی ڈگمگاتی کشتی، بے ضمیر سیاست اور 1955ء اور 1971ء کی پاک بھارت جنگ اور ان کے ہولناک نتائج کا ذکر کیا گیا ہے۔ تقسیم ہند سے قبل کے فسادات، عورتوں کی بے حرمتی، لوٹ مار اور مشرقی پاکستان کا سیاسی اور اقتصادی استحصال بنگلہ دیش کی تخلیق تک کا حال ناول کے روپ میں پیش کیا گیا ہے۔x "

ڈاکٹر ناہید قاسمی مستنصر کے ناول "راکھ" کا جائزہ لیتے ہوئے اسے وقت کی علامت کے طور پر پیش کرتی ہیں۔ ان کے مطابق، تارڑ اسطور کو وقت کا ایک عنصر مانتے ہیں جو افراد، قوموں اور تہذیبوں کو تخلیق اور تباہ کرتا ہے۔ قاسمی تارڑ کے نقطہ نظر کو فلسفیانہ قرار دیتی ہیں، جو دنیا کے انتشار اور بے معنی پن کو گہری تاریکی سے دیکھتے ہیں۔ ان کے مطابق، اس انتشار کے سامنے فنکار خاموش ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اس بے معنی دنیا کا حصہ بننے سے انکار کرتا ہے۔ اس طرح، "راکھ" صرف ایک داستان نہیں بلکہ ایک گہرا فلسفیانہ اور سماجی تجزیہ ہے۔

"(پسماندہ) طبقات کی زندگی کی دستاویز بن کر رہ جاتا لیکن مستنصر کے ناولوں میں اسطور، ناول کے مواد کی تنظیمی علامت نہیں بنتا بلکہ وقت کی علامت بنتا ہے جو افراد، قوموں اور تہذیبوں کو بناتا اور معدوم کرتا ہے۔ یہی علامت ناول نگار کا نقطہ نظر بن گیا۔ یعنی فنکار جو پہلے انسانی تماشے میں شریک تھا، اس تماشے کے انتشار میں بدلتے ہی اس سے بلند ہو گیا۔ دنیا کو

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

بدلنے کا آدرش جب پاش پاش ہوا ہے جس میں کوئی عقلی نظم و ضبط کوئی قدری نظام اور اسباب و علل کا کوئی رشتہ اہے تو آدمی فلسفیانہ دردمندی سے اس ناٹک کو دیکھتا نہیں ہے۔اس سے اگلہ مرحلہ خاموشی ہے، یعنی انتشار کا شاہد بنے سے انکار کیوں کہ جن واقعات کے متعلق کوئی قدری یا اخلاقی فیصد مکن نہیں ان کا شاہ بھی کیوں بنا جائے گویا اس دنیا سے منہ پھر لینا جو فن کا موضوع بننے کی استعداد کھو چکی ہے۔ فن زندگی کی تفسیر ہے لیکن اگر حیات و کائنات میں ایسا انتشار ہو کہ تفسیر ممکن نہ رہے تو ناول کا وہ فارم (Farm) بھی کار آمد نہیں رہتا جو زندگی کی تفسیر کرتا تھا۔xi"

تاریخ چوں کہ مستنصر کا پسندیدہ موضوع ہے اس لیے وہ بہاؤ کے بعد اس کا اگلا حصہ لکھنا چاہتے تھے جو راکھ کی صورت میں سامنے آیا لیکن اس میں انھوں نے قدیم تاریخ نے بجائے جدید تاریخ کو موضوع بنایا ہے۔اس حوالے سے ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں:

"بنیادی طور پر جب میں نے بہاؤ لکھنے کا ارادہ کیا تو خیال تھا کہ ایک تہذیب کے خاتمے کے بعد اسکا دوسرا حصہ جو میں شروع کروں گا وہ ۱۹۹۲ء تک آجائے گا یعنی قدیم اور جدید کے درمیان جو درمیانی عرصہ ہے اسے نہیں چھیڑوں گا۔ پلان میرا ہی تھا۔ لیکن پھر صرف یہ سوچ کر کہ ہمارے ہاں موازنہ کرنے کی ریت موجود ہے۔ اگر میں اپنے پلان کے مطابق ناول تشکیل دیتا تو اس کا فوراً آگ کے دریا کے ساتھ موازنہ شروع ہو جاتا کہ وہ بھی عہد قدیم سے آج کے عہد تک جاتا ہے۔ چنانچہ میں نے اسکا دوسرا حصہ بلکل الگ کر کے راکھ کے عنوان سے لکھا۔xii"

"راکھ" میں تاریخی حوالے سے دیکھا جائے تو ناول میں مسلمانوں کی طرف سے کیے گئے مظالم کے بارے میں تو لکھا ہے لیکن ان پر ہونے والے مظالم کے بارے میں بہت کم تحریر کیا گیا ہے۔ کئی مقامات پر یہ نہیں لگتا کہ یہ ناول ایک ایسا ناول نگار لکھ رہا ہے جو تاریخ کو تمام حقائق کے ساتھ قبول کرتا ہے بلکہ لگتا ہے کہ یہ ناول نگار محض اس تہذیب کے اجڑنے پر تو نالاں ہے جس میں مسلمان دیگر قوموں

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

کے ساتھ مل جل کر رہ رہے تھے اور اس بات پر بھی افسردہ ہے کہ ہندوؤں پر یا بنگالیوں پر بہت مظالم ڈھائے گئے لیکن اس کے دل میں مسلمانوں کے ساتھ جو شدید زیادتیاں، قتل و غارت گری ہوئی، اس کا دکھ افسوس نسبتاً بہت کم ہے۔ سارے ناول میں لاہور کی گلیوں، کامونکی اسٹیشن پر ریل گاڑی میں ہونے والی قتل و غارت گری کا بیان تو ملتا ہے لیکن مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کہیں ہوا میں گم ہو جاتے ہیں۔ یہ رجحان سارے ناول میں دیکھنے میں آتا ہے۔ مسلمانوں کا جو تصور اس میں مشاہد، مردان، صاحب کمال، شوکت گنجا اور زاہد کا لیا ایسے کرداروں کے حوالے سے دکھایا گیا ہے اس سے مجموعی تاثر یہ ابھرتا ہے کہ سبھی اخلاقی گراوٹ کا شدت سے شکار ہیں۔ دیکھیے:

> "گوروار جن نگر، کرشنا گلی اور گاندھی سکوئر ایسے علاقے تھے جن مین ان کی بہوؤں کی ڈولیاں اتری تھیں، جن کے صحنوں میں ان کے بزرگوں کے جنازے اٹھے تھے کہ وہ اتنے ہی لاہور تھے جتنے کہ وہ۔۔۔ جو ان کے گھروں کو آگ لگا کر انھیں وہاں سے نکل جانے پر مجبور کرنا چاہتے تھے کیوں کہ یہ وہ تھے جن کے گھروں کو جالندھر اور امرتسر میں آگ لگا دی گئی اور ان میں سے کچھ بالکل مخبوط الحواس تھے ان کے قافلے لٹے تھے ان کی بہنوں کو ان کے سامنے ننگا کیا گیا تھا اور وہ اندھے ہو چکے تھے اور وہ اگرچہ شیکسپیئر کو نہیں جانتے تھے لیکن اندھے ہو جانے کے باوجود ان کے مجنوں چہروں پر لکھا تھا کہ مرڈر شل بریڈ مرڈر جی ہاں قتل، قتل کو جنم دیتا ہے۔۔۔ تاریخ کے اختتام تک۔۔۔ اور ہمیشہ انصاف کے نام پر۔"[xiii]

اسی ضمن میں ایک اور پیراگراف دیکھیے جس میں چھوٹے بچے بندو رام کی چندیا کھینچتے ہیں اور اسے بار بار تنگ کرتے ہوئے پوچھتے ہیں کہ تم ہندوستان کیوں نہیں چلے جاتے۔ یعنی اب یہ ملک ہندوؤں کے رہنے کی جگہ نہ رہا تھا۔ بچے آتے جاتے بندو رام سے پوچھتے کہ تم ہندوستان کیوں نہیں چلے جاتے اور وہ سن کر مسکرا تا۔ بچے اس کی چندیا کھینچتے اور تنگ کرتے چلے جاتے۔ ذرا بندو رام کو چھیڑنے کے لیے۔"[xiv] شاہ عالمی جو ہندوؤں کا گڑھ تھا، وہاں پر مسلمانوں کی جانب سے ہونے والے مظالم میں سے چند اور کا ذکر دیکھیے۔

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

"لاہور کے آسمان کو کئی روز تک سُرخ کیے رکھا تھا اور جلے ہوئے بھی کھاتوں، کتابوں اور کپڑوں کے پر کئے سیاہ پرندے اُڑائے تھے کب کی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ رنگ محل چوک سے لے کر تقریباً پون میل کے فاصلے پر واقع شاہ عالمی چوک تک جو قدیم رہائش گاہیں، حویلیاں، عبادت گاہیں اور دوکانیں تھیں۔ اب وہاں نہیں تھیں۔ اُن کا شائبہ بھی نہیں تھا۔xv"

اس کے بعد مستنصر نے بھارت سے پاکستان پہنچنے والے مسلمانوں کا سرسری ذکر کیا ہے لیکن وہ بھی اس انداز میں کہ معلوم ہو کہ وہ سب وہاں فقیر اور یتیم تھے اور لاہور آنا ان کے لیے مبارک ثابت ہوا۔ اس ضمن میں ذیل کا پیرا گراف دیکھیے جس میں مسلمانوں کے چہروں پر کرب اور موت کے آثار نمایاں ہیں۔ لیکن اس کے بعد اگلے چند صفحات پر مستنصر نے کرداروں کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ ان معصوم اور مظلوم کرداروں میں سے اکثر کے بارے میں ظالم اور عیاش کا تصور ابھرنے لگتا ہے۔ مثلاً یہ کہ مسلمان کسی ایک گھر کا تالہ توڑتے تھے، اس میں داخل ہو جاتے تھے اور سارا سامان لوٹ کر ایک گھر سے دوسرے گھر میں چلے جاتے تھے اور وہاں سے سارا سامان لوٹ کر اس سے اگلے گھر میں۔ ان میں سے کچھ محض اس لیے حقہ پی رہے تھے کہ انھوں نے ہندوؤں کے تمباکو کے گودام کے گودام اسی طرح ختم کرنے تھے۔ البتہ اس میں ایسے مسلمانوں کا بھی ذکر ہے جنھیں کسی گھر میں پناہ نہ ملی اور وہ بڑی دیر تک پریشان رہے۔ اس کی وجہ بھی انتظامی معاملات کی خرابی نہیں بلکہ ویسے مسلمان بتائے گئے ہیں جو لوگوں کے گھروں پر قابض ہو چکے تھے۔

"ان پناہ گیروں کی شکلیں ایسی تھیں کہ کوئی بڑے سے بڑا اداکار ان جیسی شکلیں بنانے پر قادر نہیں تھا ہزاروں برسوں سے کسی گھر میں رہنا۔۔۔ آس پاس کے ویرانوں کو قبروں سے آباد کرنا پھر ان گھروں کو ایک تنکا اٹھائے بغیر چھوڑنا پھر بھوک دکھ اور بیماری اٹھا کر چلتے جانا اور اپنی ماؤں کو بیٹیوں کو بھی ننگے بدن دیکھنا، بہت کچھ دیکھنا اور کچھ نہ کر سکنا بچوں کو کرپانوں میں پروئے دیکھنا اور کچھ نہ کر سکنا بھوک اور بیچارگی اور موت سے بے شرم ہو جانا۔۔۔ تب جا کر کچھ کچھ ویسی شکل بنتی ہے جو ان پناہ گیروں کی تھی یہ تو بنائے نہ بنے۔ xvi"

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

ناول سے ایک تاثر یہ بھی ابھرتا ہے کہ پاکستان قانونی طور پر ایک بالکل مفلوک الحال ملک ہے جس میں جو چاہے، جیسے چاہے، جی سکتا ہے، کر سکتا ہے، خرید سکتا ہے۔ یعنی اس میں میں کچھ بھی ممکن ہے۔ مزید یہ کہ اگر بڑے لوگ قانون کی گرفت میں آ بھی جائیں تو قانون ان کے گھر کی لونڈی بن جاتا ہے۔ اس کا اگرچہ کچھ حصہ حقیقت پر مبنی ہے، لیکن مجموعی طور پر پاکستان کا جو تاثر پیش کیا گیا ہے، وہ اتنا بھی حقیقی نہیں ہے۔ اسمگلر زاہد کالیا جب گرفتار ہوتا ہے تو نہ صرف تعلقات کی بنیاد پر چند ہی دن میں چھوٹ جاتا ہے بلکہ اسے جیل میں شراب و کباب، ہر شے میسر ہوتی ہے۔

> "کالیے کے ایک دوست نے ایک عمر یورپ میں گزار دی اور بالآخر اپنی تمام تر دولت سمیٹ کر پاکستان واپس آ گیا۔ کیوں؟ اس لیے کہ پاکستان وہ واحد ملک تھا جس میں اگر آپ کے پاس پیسہ ہو تو آپ ہر چیز خرید سکتے تھے۔ انصاف بھی۔ بیسٹ کنٹری ان دے ورلڈ مائنڈ یو۔ بی پاکستانی اینڈ بائی پاکستانی۔ وہاں اس کو کوٹھڑی میں اسے تلی ہوئی ٹراؤٹ مچھلی اور ٹارٹر ساس کے ہمراہ سفید فرانسیسی وائن بھی مہیا ہو سکتی تھی اگر وہ خواہش کرتا تو۔xvii "

ڈاکٹر محمد مبشر رضا نقوی مستنصر کے ناول میں تہذیب و ثقافت کے واضح اشارات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> مستنصر کے تین ناول "راکھ"، "بہاؤ" اور "قربتِ مرگ میں محبت" اس خطے میں بہنے والے تین بڑے دریاؤں کی تہذیب و معاشرت کے بارے میں کئی انکشافات کرتے ہیں۔ ان دریاؤں کی اساطیر، کہانیاں، اعتقادات کو بیان کرتے ہوئے ایک زندگی کو ترتیب دیتے ہیں جو اپنی بھرپور زندگی جی کر مر جاتی ہے۔ دریاؤں کا پانی گدلا ہو کر سوکھ جاتا ہے اور اس کے قرب میں پلنے والے تہذیب میں کیا تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں وہ ناول نگار کے ہاں گہرتے تجربے سے گزرتی ہیں۔xviii

تنقیدی حوالے سے یہ بھی اہم ہے کہ مستنصر نے اپنے سفری تجربات اور معلومات کو بھی ناول میں اس طرح استعمال کیا ہے کہ کئی مقامات پر ناول سفر نامے سے قریب آ جاتا ہے۔ ذیل میں دیا گیا اقتباس دیکھیے جس میں مستنصر نے سفر، روداد اور جزئیات نگاری کے

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

امتزاج سے گندھارا کے روحانی اور جغرافیائی پس منظر کو مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔ جزئیات نگاری میں لینڈ اسکیپ کی تصویر کشی، جیسے سرسبز میدان، پہاڑیاں، اور بدھ بھکشوؤں کی موجودگی، قاری کو اس دور کی روحانی فضا میں لے جاتی ہے۔ تاہم، بیان میں روداد کی روانی متاثر ہوتی ہے کیونکہ تاریخی و روحانی احوال اور جغرافیائی مشاہدات میں ایک منظم ربط کا فقدان محسوس ہوتا ہے۔ نہر کے پار راستے اور "سری بہلول" کے ذکر جیسی تفصیلات دلکش ہیں، لیکن ان میں جذباتی گہرائی کی کمی ان مناظر کو محض معلوماتی بنا دیتی ہے۔ اگر مصنف سفر کی روداد کو کرداروں کی داخلی کیفیات کے ساتھ ہم آہنگ کرتے تو بیان زیادہ جاندار اور دلنشین ہو سکتا تھا۔ دیکھیے:

> "ایک عجیب ٹھہراؤ اور سکون جو ہزاروں برس پیشتر بدھ بھکشوؤں نے بھی اپنے دل کے اندر راہ بناتا ہوا محسوس کیا اور وہ کیا ہیں سر جھکانے کے لیے ٹھہر گئے اور عبادت خانوں کی تعمیر کی۔ گندھارا کی لینڈ سکیپ میں چاہے وہ سوات میں تھی یا درہ خیبر کے آس پاس یا ٹیکسلا کے نواح میں، ہمیشہ ایک سرسبز میدان تھا جس میں کہیں کہیں پہاڑیاں سر اٹھاتی تھیں اور یہاں ٹھہراؤ اور سکون کا احساس ذہن پر بیٹھتا چلا جاتا تھا۔ مردان سے چند کلو میٹر کے فاصلے پر تخت بائی سے پہلے بائیں ہاتھ پر گنے کے کھیتوں میں ایک راستہ نہر کے پار ہوتا تھا اور وہاں ایک بورڈ پر "سری بہلول" درج تھا۔xix

"راکھ" میں مستنصر حسین تارڑ نے تہذیب و ثقافت کی لوٹ مار کو مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ گندھارا عہد کی نایاب باقیات کی سمگلنگ کو بیان کرتے ہیں، جہاں غربت کے مارے لوگ اپنے تاریخی ورثے کو بیچنے پر مجبور ہیں۔ یہ منظر ثقافتی زوال اور قومی شعور کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ مصنف ان کرداروں کے ذریعے سامراجی لوٹ مار، بدانتظامی اور عوام کی بے بسی کی کہانی بیان کرتے ہیں۔ "راکھ" ایک تاریخی ناول سے بڑھ کر سماجی اور تہذیبی تنقید کی مثال بن جاتا ہے۔ اگرچہ اس میں کرداروں کی داخلی کشمکش کا گہرا تجزیہ نہیں ہے، لیکن مستنصر تہذیب کے درد کو قارئین تک پہنچانے میں کامیاب رہے ہیں۔

> "بُکل میں لپٹے لوگ آنے لگے۔ نوجوان بھی، عمر رسیدہ بھی اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی۔۔۔ وہ کالیے کے سامنے آتے اور بکل کھول کر اپنے ہاتھ آگے کر دیتے۔۔۔ ان ہاتھوں مین سری بہلول اور اس کے آس پاس ملنے

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

والے گندھارا عہد کے ٹکڑے تھے۔۔۔مہاتما بدھ کے ٹوٹے ہوئے

سر۔۔۔قدیم گندھارن برتن۔۔۔بدھ کی زندگی کے مختلف ادوار۔۔۔

انگوٹھیاں۔۔۔بیل بوٹوں والے پتھر۔۔۔xx"

اسی کی ایک اور مثال جس میں سماجی حقیقت نگاری اور تاریخ نویسی دونوں ساتھ ساتھ ہیں، یہاں مزید ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح لوگوں کا معاشی اور مذہبی بنیادوں کے حوالے سے جوش دلا کر استحصال کیا جاتا ہے۔درج ذیل اقتباس میں کالیے ایسے افرد کی ذہنیت بھی کھل کر سامنے آتی ہے جو لوگوں کی مجبوریاں کوڑیوں کے داموں خریدتے ہیں اور گندھارا ایسی قدیم تہذیب کے آثار کو لوٹنے کے عمل کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔مصنف نے نہایت باریکی سے اس کردار کے ذریعے یہ دکھایا ہے کہ کس طرح غربت اور سماجی محرومی کے شکار لوگ اپنے تاریخی ورثے کو مادی ضروریات کے عوض قربان کر دیتے ہیں۔ کردار کے بیانات جیسے "محمود غزنوی کی اولاد و" اور "ثواب نہیں مل سکتا، پیشہ مل سکتا ہے" سماجی استحصال کی حقیقت کو نمایاں کرتے ہیں، جہاں مذہبی جوش دلانے والے جملے حقیقت میں ذاتی مفادات کے لیے استعمال ہو رہے ہیں۔

"گندھارا کے تمام علاقوں میں، ٹیکسلا میں تو اب کچھ باقی نہیں رہا صرف

بابا زردار بہت زبردست فیک بناتا ہے لیکن سوات میں، دیر اور باجوڑ میں اور

سدھر تکت بائی کے آس پاس، تمھارے سری بہلول میں تم جتنے پکے مکان

دیکھتے ہو وہ میری وجہ سے بنے ہیں۔ان کے گھروں میں جو بیٹیاں بال سفید

کر رہی تھیں ان کی ڈولیاں میرے پیسے کے زور سے اٹھیں۔۔۔کئیوں نے

حج کیے۔اللہ رسول ﷺ کی قسمے۔۔۔میں نے انھیں صرف یہ سمجھایا کہ

محمود غزنوی کی اولاد و یہ جو تمھارے کھیتوں میں سے ہل چلاتے ہوئے بت

نکلتے ہیں۔۔۔مکان کی بنیاد کھودتے ہو تو کسی سٹوپے کی دیوار برآمد ہو جاتی

ہے۔۔۔بھیڑیں چراتے ہوئے کسی پہاڑی کی اوٹ میں کھنڈر مل جاتے ہیں

تو ان کو مت توڑو یارو۔۔۔ان کے سر توڑ کر تمھیں ثواب نہیں مل

AL- ANFAL
SLOGAN HERE
Name of Journal: Al-Anfal
AL- ANFAL
SLOGAN HERE
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

سکتا۔۔میرے اس لے آؤتو پیشہ مل سکتا ہے۔۔۔سکے ملیں پرانے زیور یا

برتن ملیں تو میرے پاس لے آؤ۔xxi"

سقوطِ ڈھاکہ، جنگ، اور قومی شکست کے تناظر میں راکھ اس اجتماعی یادداشت کی نمائندہ ہے جسے جبر والم نے جلا کر راکھ کر دیا ہے۔فرد کے وجود کی سطح پر، یہ مشاہد اور دیگر کرداروں کی ذاتی ناکامیوں اور منتشر شناختوں کی بھی عکاسی کرتی ہے، جو ماضی کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں۔ناول میں راکھ کا تصور اس تہذیبی انحطاط کی گواہی بھی دیتا ہے جو زندگی کے معنوی اور اخلاقی پہلوؤں کو خاک میں ملا دیتا ہے۔تارڑ نے راکھ کو نہایت فنکارانہ مہارت سے استعمال کرتے ہوئے اسے ایک ایسی علامت بنایا ہے جو فرد، سماج، اور تاریخ کے المیے کو بہ یک وقت پیش کرتی ہے۔ڈاکٹر سلمٰی اسلم لکھتی ہیں :

" مستنصر کی تحریریں تاریخ و تہذیب سے محبت کرنے والوں کے لئے ریڑھ
کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہیں جہاں وہ مشرقی تہذیب کی بات کرتے ہیں وہاں
وہ مغربی تہذیب سے بھی خوب متاثر نظر آتے ہیں اور ان کا یہ انداز ان کی
تحریروں میں ایک نیا رنگ اور نئی گھلاوٹ پیدا کرتا ہے کیونکہ وہ ایک جہاں
بین ادیب ہیں اس لئے وہ لکھتے ہوئے دانستہ یا غیر دانستہ طور پر تہذیبی و تاریخی
جہتوں کو پیش کر دیتے ہیں۔"xxii

ناول میں فرد، سماج، اور تاریخ کے پیچیدہ اور متنازعہ رشتوں کو بھی اجاگر کیا گیا ہے مستنصر نے کرداروں کی نفسیات، قومی سانحات، اور انسانی بقا کی جدوجہد کو اس مہارت سے پیش کیا ہے کہ یہ ناول قاری کو ماضی، حال، اور مستقبل کے درمیان ایک مسلسل مکالمے میں مشغول رکھتا ہے۔یہ ایک فلسفیانہ بیانیہ بھی ہے جو زندگی کے زوال اور امید کے درمیان ابدی تعلق کو دریافت کرتا ہے۔اس ناول کو بلا شبہ اردو کے اہم ترین تاریخی ناولوں میں جگہ دی جاسکتی ہے۔جیسا کہ پہلے تحریر کیا گیا ہے کہ اس کے کرداروں میں سے مشاہد کا کردار، خود مستنصر کے کردار کے قریب ہے۔اس لیے یہ ناول بھی ان کی آپ بیتی کے ضمن میں دیکھا جاسکتا ہے۔اس کا اقرار خود مستنصر نے کئی مصاحبوں میں کیا ہے۔ملاحظہ کیجیے :

"میں اصناف پر سختی سے کاربند نہیں رہتا۔۔۔جب آپ پورے ایک عہد کو
سمیٹ رہے ہیں تو پھر اس ناول میں آپ بیتی بھی موجود ہو گی اور جگ بیتی

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

بھی۔ دنیا میں جتنے بھی اچھے ناول لکھے گئے ہیں بھی سیمی آٹو بائیو گرافیکل ہیں۔ لیو ٹالسٹائی کی وار اینڈ پیس ۹۹٪ آپ بیتی ہے۔ دستوفسکی کی جواری اس کی آپ بیتی ہے۔ گارسیا مارکیز نے اپنے ناول میں اپنے پورے خاندان کی تاریخ بیان کر دی ہے۔ ناول تو ہے ہی تجربوں، آپ بیتیوں اور جگ بیتیوں کا نام کافکا کا ٹرائل یا فلابیئر کے مادام بواری میں مصنف کا پتہ نہیں چلتا۔xxiii

ناول کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تو اس میں بالترتیب سیاسی، سماجی اور تہذیبی و ثقافتی اور مذہبی تنقید کار جحان سب سے زیادہ واضح نظر آتا ہے۔ سیاسی بے راہ روی جس قسم کے اثرات پیدا کر سکتی ہے اور جس قسم کے مسائل کو جنم دے سکتی ہے اس کی جھلک اس ناول میں سب سے زیادہ واضح دکھائی دیتی ہے۔ اسی لیے اس ناول کو بہت سے ناقدین نے پاکستان کے پہلے پچاس سال کی تاریخ قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان اس ناول کی مجموعی فضا کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں۔

"ناول میں مشرقی پاکستان کا المیہ قصہ اور ان فسادات کا بیان جو تقسیم ہند سے وابستہ ہیں اور زیادہ ماجرائی وژن رکھتے ہیں کیوں کہ کرداروں کی سوچیں ان کے واضح اثرات کو قبول کرتی ہیں اور ان کا فرسٹریشن یا احساسِ محرومی ان ہی کی وجہ سے سامنے آتا ہے۔ یہ فرسٹریشن اس لیے بھی گہرا ہے کہ ہمارے لوگ اپنے آپ کو تبدیل کرنے کے بجائے شادیانے بجاتے اور رنگ رلیوں میں مصروف نظر آتے ہیں، گویا ایک ہمہ گیر بے حسی کا ماحول ہو جس میں خاص طور پر مادی آسائشات پر قبضہ کرنے ارباب واقتدار ان کے گماشتوں اور ان کے کلچر کی تقلید کرنے والے نابینا عنصر نے منظر کو دھندلا دیا ہو تاکہ وہ خود اور ہمارا پورا معاشرہ نوشتہ دیوار نہ پڑھ سکے۔xxiv"

ناول میں پیش کیے گئے کرداروں کے تنقیدی جائزہ لیا جائے تو ان میں جس کا ذکر سب سے زیادہ ہوا ہے، وہ مشاہد ہے۔ ناول میں مشاہد علی کا کردار ایک کثیر الجہتی، فلسفیانہ اور جذباتی ارتقا کا آئینہ دار ہے، جسے مستنصر نے بڑی گہرائی اور فنی مہارت سے تشکیل دیا ہے۔ یہ کردار نہ صرف مصنف کی اپنی زندگی کے چند پہلوؤں کی جھلک پیش کرتا ہے بلکہ سماجی، ثقافتی اور نفسیاتی پیچیدگیوں کو بھی نمایاں کرتا ہے۔

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

مشاہد علی کی شخصیت تارڑ کے ذاتی تجربات اور تخلیقی آزادی کا امتزاج ہے۔ان کے کردار میں وہ گہرائی موجود ہے جو انسانی زندگی کے پیچیدہ پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہے۔وہ ایک ایسا کردار ہے جو اپنے ماضی، حال اور ممکنہ مستقبل کے درمیان الجھا ہوا ہے، اور یہ الجھاؤ قاری کو تاریخ، فلسفہ اور انسانی جذبات پر غور کرنے پر مجبور کرتا ہے۔اس ضمن میں اس کردار کی جزئیات اور ذہنی رویوں پر بات کرتے ہوئے مستنصر نے وہ وجوہات بھی بیان کی ہیں جن کی بنیاد پر وہ ذہنی خلفشار کا شکار ہوا اور عمومی اخلاقیات پر اس کے اندر سوالات نے جنم لیا جن کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔اخلاقیات کے دوہرے معیارات اور مسائل اسے اپنے عقائد کے بارے میں شک میں مبتلا کرنے کے لیے کافی تھے۔دیکھیے:

> "گھر والے اور لاہور والے شاہ شہید کا قصہ بڑے فخر اور نم آلود آنکھوں کی عقیدت کے ساتھ بیان کرتے۔کیسے گروار جن نگر کے باہر ہنود اور سکھ دکانداروں نے اپنی دوکانوں کے چوبی دروازوں پر ٹین کیچ ادریں چڑھا کر انھیں آتش زنی سے مکمل طوپر محفوظ کر لیا تھا اور کس طرح رمضان کے مقدس مہینے میں کرفیو کے باوجود شاہ صاحب تھانیدار نے مسلمان نوجوانوں کے ایک گروہ کو ان دوکانوں کے دروازے توڑ کر انھیں لوٹ لینے کی اجازت دی تھی اور خود ہمہ وقت پہرہ دیتے رہے اور اس دوران کسی کافر کی گولی ان کے سینے کے آرپار ہوگئی اور جب جان کنی کے عالم میں لوٹ مار کرنے والے نوجوانوں نے ان کے حلق میں پانی کے چند قطرے ٹپکانے کی کوشش کی تو شاہ صاحب نے اشارے سے منع کر دیا اوور نحیف آواز میں فرمایا"میرا روزہ ہے۔سبحان کیا ایمان کی پختگی ہے۔۔۔اور انھی دنوں شاہ عالمی دروازے کے اندر واقع ایک وسیع اور قدیم آبادی کو آگ لگادی گئی۔"XXV

یورپ میں قیام کے دوران مشاہد علی کی شخصیت اور اخلاقی اقدار میں تبدیلیاں آتی ہیں۔وہ گناہ کی راہ پر چل نکلتا ہے، لیکن اس کے کردار میں یہ تضاد ایک علامتی اہمیت رکھتا ہے، جو مشرقی اور مغربی اقدار کے درمیان کشمکش کو ظاہر کرتا ہے۔محبت، جنس اور اخلاقیات کے ضمن

AL- ANFAL
SLOGAN HERE
Name of Journal: Al-Anfal
AL- ANFAL
SLOGAN HERE
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

میں مشاہد کے کردار کا جائزہ لیا جائے تو اس کردار میں بہت سی پیچیدگیاں واضح ہوتی ہیں۔ فاطمہ، کرسٹین، اور برگیتا کے ساتھ اس کے تعلقات اس کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں۔ فاطمہ کے بابو پٹیل سے تعلق کو ختم کرنے کی کوشش اس کے اندرونی تضادات کو ظاہر کرتی ہے۔ کرسٹین کے ساتھ تعلقات میں وہ محبت اور ذمہ داری سے انکار کرتا ہے، جو اس کے کردار کی نفسیاتی گہرائی کو بڑھاتا ہے۔ ایک مشرقی مرد اور مسلمان ہونے کے ناطے، اگرچہ کرسٹین، ارسلا اور جوائے ایسی خواتین کے ساتھ اس کے تعلقات تھے بھی تو اسے چاہیے تھا کہ ان میں کسی ایک سے شادی کر لیتا۔ ایسے میں جب کہ کرسٹین کی گود میں اس کا بچہ پل رہا ہے، اور وہ اس سے شادی کی خواہش بھی کرتی ہے، اس کا اسے نظر انداز کرنا اور نفرت کی حد تک دور جانا، بہت عجیب دکھائی دیتا ہے۔ یہ اس کے کردار کے تضادات پر سوال اٹھاتا ہے اور وہ یہاں جنس اور محبت کے حوالے سے ایک کمزور کردار ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح مسلمان لڑکی فاطمہ سے شدید محبت میں مبتلا ہونے کے باوجود، اس سے اظہار نہ کرنا اور بابو پٹیل، جو کہ اس کا بہترین دوست اور بھائیوں کی طرح عزیز ہے، اس کے سامنے فاطمہ کے اپنے اور لوگوں کے ساتھ جنسی تعلقات کی جھوٹی کہانی بیان کرنا، مشاہد کو اخلاقی حوالے سے مزید زوال کی علامت بناتا ہے۔

مشاہد کا اپنی عمر سے دوگنا کم برگیتا سے شادی کا فیصلہ عمومی اخلاقیات سے دوری دکھاتا ہے۔ اسے انقلابی خیال کہا جا سکتا ہے، لیکن یہ محض ایک سطح تک ہی محدود رہتا ہے۔ سمیعہ سے بچپن کی محبت کے باوجود، پاکستان واپسی پر اس سے نہ ملنا اور طوائف بازار میں حادثاتی ملاقات پر بھی فکر مند نہ ہونا، اس کی بے حسی کو ظاہر کرتا ہے۔ نوراں کی مدد نہ کرنا بھی اس کے منفی پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے۔ کرسٹین کے ساتھ محبت اور اس کے روتے ہوئے التجا کرنے پر بھی مشاہد کا سرد رویہ اس کے غیر انسانی پہلو کو واضح کرتا ہے۔

"کرسٹین نے اسے جھنجوڑا تھا۔ رات کے کسی پہر میں۔ "کیا ہے؟" اس نے پوچھا۔ "میں تمھاری محبت میں مبتلا ہو چکی ہوں۔" اس نے جیسے سی موزی بیماری کے وجود کا اعلان کیا۔ ۔۔ "ٹھیک ہے صبح بات کریں گے۔" وہ کروٹ بدل کر سونے لگا۔ "نہیں تم سمجھ نہیں رہے۔" اس نے اسے پھر جھنجوڑا"۔ "ٹھیک ہے ہم صبح بات کریں گے۔" وہ اتنی لمبی تڑنگی لڑکی فوم کے گدے پر بیٹھی روتی رہی ۔۔۔ اس کی ہچکیوں سے وہ خود بھی ہلتا تھا ۔۔۔ "تم مجھ سے شادی کرو گے یا نہیں" نہیں۔۔۔ "xxvi

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

مشاہد کے حوالے سے جو مثبت سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ فلسفیانہ طبیعت کا مالک ہے، تاریخ کا شعور رکھتا ہے اور کہیں کہیں مسلمانوں کے حق میں بول بھی لیتا ہے۔ یورپ میں اس کے قیام کے دوران میں جہاں دنیا بھر کے ممالک سے آئے طالب علم مصر کی شکست اور اس پر عالمی قوتوں کے مل کر حملہ کرنے پر خوش تھے، وہ یہودی لڑکے سے بحث کرتا تھا۔ اس کے ساتھ دعوت کھانے کے باوجود وہ امبر تو سے اختلاف کرنے کی اخلاقی جرات بھی کرتا تھا:

"اگرچہ میں نے ابھی ابھی تمھارا نمک کھایا ہے لیکن تم ایک متعصب یہودی
ہو۔ نہیں۔ تم ایک طوطے کی طرح فرانسیسی حکومت کا نکتہ نظر بیان کر رہے
ہو۔"۔ "کیا میں فرانسیسی ہوں جو ایسا کرتا ہوں۔ امبر تو نے اپنی مضبوط چھاتی
پر بن مانسوں کی طرح مکے چلائے۔۔۔ "بولو"۔ "نہیں ۔۔۔ تم اطالوی
ہو۔۔۔ اور یہودی ہو اور الجیریا از مسلم۔۔۔" xxvii

اسی طرح عالمی طاقتوں کے مل کر مصر کے خلاف لڑنے پر وہ امبر تو کو کھری کھری سنا دیتا ہے کہ یہودی سہارے تلاش کر کے لڑتے ہیں، تنہا لڑنا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔

"جب اسرائیل کسی کی پشت پناہی کے بغیر تن تنہا کسی عرب ملک سے لڑے
گا تب ہم مان جائیں گے۔"xxviii

مشاہد کے ایک اور بنگالی دوست کو جو اس کے ساتھ یورپ میں قیام پذیر ہے اور پڑھنے کی غرض سے گیا ہوا ہے، مصر کے لیے روتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ یہاں مقدس کا رونا دراصل مسلمان امت کا رونا ہے اور پاکستان سمیت دنیا بھر کے مسلمانوں کے سربراہان کی خاموشی ناول کا اہم موضوع ہے۔ مقدس، جمال عبدالناصر کے نہر سویز کو اپنے کے اعلان پر صہیونیوں نے جن میں یورپ سمیت کئی اور ممالک شامل تھے، حملہ کیا جس کی وجہ سے دکھی، دکھایا گیا ہے۔ یہی دکھ مشاہد کی بھی ہے اور وہ اس کے لیے امبر تو سے بحث بھی کرتا ہے لیکن حکمرانوں کی سطح پر خاموشی اور اس وقت کے وزیر اعظم کا مصر کا ساتھ نہ دینا جذباتی مشاہد اور مقدس کو اور دکھی بنا دیتا ہے۔

"یہ بدماس لوگ نہر سوئز کو نیشنلائز کرنے کا نقصان برداشت نہیں کیا اور حملہ
کر دیا سب شیطان لوگ نے اور پیراشوٹ والا فوج اتاارا دیا پورٹ

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

سعید میں اور اسے بالکل برباد کر دیا۔ ہم رونے لگا ان پر ان کافروں کے سامنے

ہم نے اپنے کو روک دیا کہ وہ سب بہت خوش تھا انگریز لوگ۔xxix

فلسفیانہ حوالے سے مشاہد کا بیان دیکھیے جس کے پیچھے مستنصر تاریخ اور انسانی قربانیوں پر سوال اٹھا رہے ہیں۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اخلاقی حوالے سے یہ کمزور کردار، بہر حال تاریخ کا شعور بھی رکھتا ہے اور اس ضمن میں فلسفیانہ سوالات اٹھا کر اس بات کا اعلان بھی کر رہا ہے کہ ابھی سوچنے سمجھنے والے لوگ موجود ہیں۔

"نسل انسانی کا سب سے بڑا کارنامہ- ایک فخر- ایک بلند بانگ آئیڈیل

قربانی ہی تو ہے۔ اور قربانی آپ کو کہاں لے جاتی ہے؟۔۔۔ کافرستان کے وہ

الڑ، وہ بڑے بڑے پتھر جن پر لاکھوں بھیڑ بکریاں کٹیں اور ان کا خون بہا-

تو پتھر تو پتھر ہی رہا اس پر کیا اثر ہوا۔ یا جن کی قربانی ہوئی۔ مرضی سے ہاتھ

میں پرچم پکڑے ہوئے یا مرضی کے خلاف جنھیں دکھیل دیا گیا۔ ان سب کا

End Result کیا ہو؟xxx

مشاہد علی کے کردار کی فنی تشکیل کی بات کی جائے تو مستنصر حسین نے اسے بہت مشاقی سے تراشا ہے اور یہ جیتا جاگتا کردار، مصنوعی نہیں لگتا۔ اس ضمن میں مشاہد علی اور راڈنی کی دوستی بین الثقافتی تعلقات کی علامت ہے، جو مغربی اور مشرقی اقدار کے ٹکراؤ اور ہم آہنگی کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ تعلق ان کے کرداروں کے ذریعے ناول کے مرکزی موضوعات کو مزید تقویت دیتا ہے۔ مشاہد علی کے خواتین کے ساتھ تعلقات اس کے کردار کی پیچیدگی کو بڑھاتے ہیں۔ برگیتا کے ساتھ شادی، کرسٹین کے ساتھ جنسی تعلقات، اور فاطمہ کے ساتھ محبت اس کے جذباتی اور نفسیاتی تضادات کو نمایاں کرتے ہیں۔ مشاہد کے کردار کی علامتی حیثیت کی بات کی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ زوال، تنہائی، اور انسانی تعلقات کی پیچیدگیوں کی علامات کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ ایک ایسا کردار ہے جو ماضی کے زخموں اور حال کی تلخیوں کے درمیان جینے کی کوشش کرتا ہے۔

سمیعہ کا کردار انسانی جذبات، سماجی دباؤ اور بقا کی جدوجہد کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ ابتدا میں وہ مضبوط نظر آتی ہے، مگر حالات اسے مجبور کر دیتے ہیں۔ اس کا دوبارہ ابھرنا مشاہد کے ماضی اور حال کے درمیان پل کا کردار ادا کرتا ہے۔ وہ ایک ایسے سماج کی تصویر ہے جہاں عورت بقا کے لیے اخلاقی حدیں توڑنے پر مجبور ہو جاتی ہے، جس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسے فیصلے مذمت کے

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

لائق ہیں یا ہمدردی کے؟ سمیعہ محبت کا اظہار کرنے اور رشتوں میں اخلاص قائم رکھنے کی علامت ہے۔ وہ خود مشاہد سے محبت کا اظہار کرتی ہے اور باجی کہنے پر اسے ڈانٹتی ہے۔ مشاہد کی یورپ روانگی پر وہ روایات کو پس پشت ڈال کر گلے لگاتی ہے، مگر وہ جاتے ہی اسے بھلا دیتا ہے۔ ناول کے آخر میں سمیعہ کا ذکر تین کرداروں—— گرلز وارڈن، ٹیلی فون آپریٹر، اور بیٹیوں کے ساتھ جسم فروشی میں ملوث عورت——کے ذریعے آتا ہے، جو اس کی معاشی جدوجہد کی تلخ حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔

"مشاہد ایک جھینپو اور کچھ ڈرپوک سا بچہ تھا اور سمیعہ یہ جان چکی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اگر اس نے اس دبلے سے گندمی رنگ والے بچے کو اپنی جانب متوجہ کرتا ہے تو اسے پہل کرنا ہوگی۔ چنانچہ ایک روز جب وہ دونوں اپنی اپنی کھڑکی اور گملوں والی دیوار کے بیچ میں سے نیچے گلی کی جانب عشق پیچاں کی جنگلی بیلوں کی طرح جھول رہے تھے تو سمیعہ نے اپنے آپ کو صرف ایک ہاتھ سے سنبھالے رکھا اور دوسرے سے مشاہد کو سلام کر دیا۔" ۔"فلیٹ کی باون سیڑھیوں کے عین درمیان جا کر باجی سمیعہ نے اس کا ہاتھ دبوچ کر کہا تھا"اوئے مجھ سے ڈرتے ہو"اور مشاہد کی گھگھی بندھ گئی۔۔۔"تو پھر مجھے پیاری کہو۔"۔"آپ تو میری باجی ہیں۔"اس نے گھگھیا کر کہا۔"اوئے نہیں۔ کوئی نہیں میں تمھاری باجی شاجی۔"xxxi

مردان کے کردار کے فکری پہلو کی بات کی جائے تو وہ بچپن ہی سے نیک دل لیکن کچھ نفسیاتی کردار دکھایا گیا ہے۔ وہ انسان تو درکنار، جانوروں کو بھی دکھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ناول میں مذکور ہے کہ وہ گھر میں اتنے آوارہ کتوں کو اٹھالاتا تھا کہ سارا گھر بھر جاتا اور پھر اس کی والدہ مجبوراً ان سب کو گھر سے نکال باہر کرنا پڑتا۔ اس پس منظر میں وہ ڈھاکہ میں ہونے والی قتل و غارت گری کے صدمے کو جھیل نہیں پایا۔

"جب وہ گرمیوں کی دوپہروں میں آوارہ گردی کر کے واپس آتا اور اس کے پیچھے پیچھے رسی یا کسی چیتھڑے سے بندھا کوئی آوارہ کتورا گھسٹتا چلا آتا تھا ۔۔۔"۔"بھائی جان یہ وہاں ایک نالی میں بیٹھا تھا اور مجھے ترس آگیا۔ بھائی

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

جان یہ وہاں ایک کتے کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ کیا اسے ایک بہتر زندگی نہیں

دے سکتے؟xxxii

فوج میں شمولیت کے بعد اس کا کردار تقسیم پاکستان اور سقوطِ ڈھاکہ کے تناظر میں انسانی نفسیات، جذباتی کشمکش، اور اقدار کی ٹوٹ پھوٹ کو نمایاں کرتا ہے۔ وہ حب الوطنی، فوجی فرائض، اور ذاتی تعلقات کے بیچ ایک پیچیدہ کردار کے طور پر ابھرتا ہے۔ سقوطِ ڈھاکہ کے واقعات اس کے لیے شدید نفسیاتی صدمے کا باعث بنتے ہیں، جو اس کے شخصیت کے ارتقاء میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ مردان کا مہرالنسا اور شوبھا کے ساتھ تعلق انسانی المیے اور قربانی کی علامت ہے، جبکہ شوبھا کو بنگالی لباس پہنانا اس کی اپنی ثقافتی شناخت کے تحفظ کی خواہش کو ظاہر کرتا ہے۔ فنی حوالے سے مردان کا کردار ناول میں ایک علامتی جہت رکھتا ہے، جو پاکستانی معاشرے کی اخلاقی شکست و ریخت کی عکاسی کرتا ہے۔ اس کی موت ناول کے المیاتی اختتام کو اور گہرا کرتی ہے، جو ایک بے رحم تاریخی حقیقت کی نشاندہی کرتی ہے۔ مردان کی شخصیت میں جذبات، نفسیاتی دباؤ، اور اخلاقی تضادات کا عمدہ امتزاج ہے۔ مردان ان حساس لوگوں میں سے تھا جو سب کچھ ٹھیک ہونے کا انتظار کر رہا تھا اور موجودہ صدمے کو برداشت کرنے کی سکت اپنے اندر جمع نہ کر پا رہا تھا۔ چنانچہ فوج نے جب ہتھیار ڈالے تو اس نے ایسا کرنے سے اس لیے انکار کر دیا کہ وہ وہاں رہنا چاہتا تھا، امن قائم ہونے کے کا انتظار کرنا چاہتا تھا۔

> "وہ ہتھیار نہیں ڈال سکتا تھا۔ وہ بھی ان جنگلوں کے نیم تاریک گنجلک اور موت منتظر سناٹوں کے اندر کئی دن تک ایک نیم وحشی جانور کی وحشت سے چلا۔ دانت نکوسے، غراتا ہوا اور کانٹے دار جھاڑیاں اور سوکھی ٹہنیاں اس کی وردی کی دھجیاں اتار اتار کر اپنی زبائش کرتی رہیں اور ننگے بدن پر خون کی لکیریں کھینچتی چلی جاتی تھیں۔ بھوک اور پیاس سے نڈھال لیکن ایک جانور کی طرح وحشت میں گم گرتا پڑتا اور خون آلود ہوتا۔xxxiii"

ملک کے ٹوٹنے کا اظہار جس سادگی اور گہرے کرب کے ساتھ ناول میں کیا گیا ہے، اس کی مثال اردو ادب کے دیگر ناولوں میں شاذ و نادر ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

لیکن اب وہ جانتا تھا کہ وہ کدھر جارہا ہے۔اسے اپنی سمت کا پتہ تھا۔گھڑی دو گھڑی میں یہ کیا ماجرا ہو گیا۔ماجرا بس یہی ہوا کہ گھڑی دو گھڑی میں کہ جب وہ گیا تھا تو اپنے وطن سے گیا تھا اب آیا تو یہ ملک کوئی اور تھا۔xxxiv

ناول میں شوبھا کا کردار آغاز ہی سے اس کی والدہ کی طرح قابل رحم دکھایا گیا ہے۔اس کی پیدائش بچپن جنگ جرائم اور مظالم کی علامت کو ظاہر کرتے ہیں۔چوں کہ انسانوں پر ماحول اور تربیت اثرانداز ہوتے ہیں۔اس لیے شوبھا کو شعوری طور پر بنگالن بنانے کے پیچھے مردان کی مہرالنسا سے محبت اور اپنی رحم دلی بھی شامل تھی۔وہ چاہتا تھا کہ شوبھا اپنی شناخت کو قائم رکھے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کونسی شناخت؟کیسی شناخت؟کیا وہ عمر بھی اسے اس کی ماں کی شناخت دے پایا تھا؟

مہرالنسا کا پیٹ سندر بن کے چیتے کا ہموار پیٹ نہیں تھا۔اس کے اندر شوبھا تھی۔کس کی تھی؟کسی کی بھی ایک وار بے بی کا تعین نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جائے گا۔مولوی احتشام الدین کسی الشمس البدر یا کسی باہنی کے تقدس یا وطن پرستی کے کام آچکا تھا۔اور مہر النساء اس جھونپڑے میں ایک چٹائی پر لیٹی اس جنگی بچے کے باہر آنے کی منتظر تھی جو کسی کا بھی ہو سکتا تھا۔xxxv

ناول میں فاطمہ کا کردار محبت،قربانی،اور تہذیبی تصادم کے محور پر کھڑا ہے۔ایک کویتی مسلم لڑکی ہونے کے باوجود،وہ محبت کی خاطر اپنی شناخت اور مذہب تک کو قربان کر دیتی ہے۔بابو پٹیل سے اس کی شادی،ہندو مذہب کی قبولیت،اور اس کے بعد ہونے والے مسائل اس بات کی علامت ہیں کہ محبت اور معاشرتی شناخت کے بیچ جدوجہد کس قدر شدید ہو سکتی ہے۔فاطمہ کے کردار میں ایک گہرے المیے کی جھلک ہے،جو مذہبی اور ثقافتی اقدار کی کشمکش کو نمایاں کرتی ہے۔مشاہد اور فاطمہ کے تعلقات میں ناکامی ان کے شخصی تضادات اور ناقابل حل خواہشات کی عکاسی کرتی ہے۔ناول کے آخر میں فاطمہ کا بوڑھے مشاہد کے ساتھ وقت گزارنا اور پھر یورپ واپس چلے جانا ایک تلخ حقیقت کا اظہار ہے کہ محبت کبھی کبھی قربت سے زیادہ قربانی کا مطالبہ کرتی ہے۔ناول میں اگرچہ فاطمہ کے لیے ہمدردی پیدا کی گئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ فاطمہ ایسے کردار،معاشرے میں قابل قبول نہیں رہتے۔جب کہ وہ مشاہد کو اپنی جوانی میں نظرانداز کرکے ہندو بن کر ہمیشہ کے لیے مشاہد کی زندگی سے جاچکی تھی تو اسے دوبارہ اس کی شادی شدہ زندگی خراب کرنے کی

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

ضرورت نہیں تھی۔البتہ اس ضمن میں یہ بات اہم ہے کہ وہ،جب کہ مشاہد اس کے ساتھ دوبارہ منسلک بھی ہو چکا تھا،اپنے پچھلے انجام سے خوف زدہ ہو کر،وہاں سے جانا چاہتی تھی،کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتی تھی۔اس کے اس فیصلے میں ایک گہرا کرب اور خود کو سزا دینے کا عمل بھی پوشیدہ تھا۔دیکھیے:

"اور وقت کی اس سیاہ و سفید کترن نے اس کا ہاتھ دبایا اور کہا" مشاہد میں
زیادہ دیر لاہور میں نہیں ٹھہر سکتی۔"۔"کیوں؟"۔۔۔"کیا ایک مرتبہ اندھا
ہونا-بیوہ ہونا اور بے اولاد ہو جانا کافی نہیں ہے۔"xxxvi

یہ بات بھی عجب ہے کہ وہ مشاہد سے کبھی بھی محبت نہیں کرتی تھی لیکن اس عمر میں اچانک اسے کیسے مشاہد اتنا پیارا ہو گیا ہے کہ وہ اندھیرے میں اور نابینا پن کے باوجود اسے دیکھ سکتی ہے۔

"ان پر پیچ اور نیم تاریک سیڑھیوں میں اگر وہ ماچس کی ایک تیلی جلاتا تو فاطمہ
نابینا ہونے کے باوجود اس کی طرف دیکھتی اور وہ دکھائی دے
جاتا۔"xxxvii

ناول کے دیگر کرداروں کی طرح فاطمہ بھی کچھ ابنارمل کردار دکھائی دیتی ہے۔اسے مشاہد نے اچھا کمرہ رہنے کے لیے دیا تھا لیکن اسے جو کمرہ پسند تھا،اس کا نقشہ ہی یہ ثابت کرنے کے لیے کافی تھا کہ وہ ٹھیک ذہنی حالت میں مبتلا نہیں ہے۔

اسے جامن اور شیشم کے گھنے اندھیرے میں گم پوشیدہ اس بوسیدہ نم اور اگ
رہے در و دیوار پر سبزہ کمرے کی بو بوس پسند تھی اور وہ اپنی مرضی سے وہاں
رہتی تھی الگ تھلگ اور خاموش۔۔۔xxxviii

برگیتا کے کردار کی بات کی جائے تو یہ برگیتا مغربی اقدار اور مشرقی زندگی کے درمیان ایک پل ہے۔وہ ایک آزاد مزاج اور خود مختار عورت کے طور پر سامنے آتی ہے،جو سماجی اصولوں کو نظر انداز کر کے اپنی زندگی اپنے طریقے سے جیتی ہے۔برگیتا کا مشاہد سے شادی اور اس کے بعد ان کے تعلقات میں تنازعات ناول کے مرکزی موضوعات میں سے ایک ہیں۔عمر اور ثقافت کے فرق کے باوجود ان کی شادی انفرادی آزادی اور محبت کے پیچیدہ پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہے۔برگیتا کا کردار ایک آزاد عورت کی تصویر کشی کرتا ہے جو اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کرتی ہے،لیکن پھر بھی سماجی توقعات اور جذباتی وابستگیوں کا سامنا کرتی ہے۔فاطمہ کی موجودگی

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

میں اس کا ناراض ہو کر اپنے والد برکت مسیح کے گھر چلے جانا، یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ پاکستان میں رہتے ہوئے مشرقی رقابت آہستگی سے اس کے کردار سے جھلکنے لگتی ہے۔ البتہ مردان کے ساتھ اس کا دوستانہ تعلق ناول میں کچھ ابہام پیدا کرتا ہے۔ وہ اس کے گلی لگتی ہے، اس بات کا اظہار کرتی ہے کہ وہ مردان اور مشاہد میں فرق نہیں کر پاتی اور مردان سے ایسی گفتگو بھی کرتی ہے جو کہ عموماً ایک مرد، مرد سے اور عورت عورت سے نہیں کرتی۔ مثلاً یہ دیکھیے:

"اور کیا دیوار بھر جائیوں سے آنکھ جھپکے بغیر پوچھتے ہیں کہ آپ نے بچے کو جنم نہیں دیا تو اس سے زندگی میں کیا کمی رہ گئی ہے؟ ہم تمھارے قبائلی تعصب والے بھر جائی اور دیور تو نہیں ہیں۔ کہ ہیں؟"۔ نہیں ہیں۔

"میں تمھارے بارے میں بہت سوچتی ہوں۔ برگیتا نے حسب عادت ایک ہچکی بھری "تم اپنی Sexual Urge کو کیسے Manage کرتے ہو؟xxxix

برگیتا کا اچانک خود سے دوگنا عمر کے مرد کے ساتھ شادی کے لیے ہاں کر دینا بھی عمومی زندگی میں بعید از قیاس نظر آتا ہے۔

جب اگلی شام پاپا راڈنی نے ایک ناپسندیدہ لہجے میں اسے بتایا کہ مشاہد جو ان کا ہم عمر ہے، اس سے شادی کرنا چاہتا ہے تو برگیتا کے سامنے ایک آئینہ تھا اور وہ اپنے آپ کو اس میں دیکھی تھی اور ہمیشہ دیکھتے رہنا چاہتی تھی۔xl

بابو پٹیل کو گو کہ ناول میں مختصر عرصے کے لیے لایا گیا ہے لیکن فاطمہ اور مشاہد کے ساتھ اس کے تعلقات پر نظر دوڑائی جائے تو وہ ایک نیک دل اور محبت کرنے والے دوست کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس کا کردار محبت، اعتماد، اور قربانی کی داستان بیان کرتا ہے۔ بال خصوص فاطمہ کی بینائی جانے کے بعد جس طرح بابو اس کے لیے اخلاص کا اعظہار کرتا ہے اور اس کے علاج میں خود کو ہلکان کر لیتا ہے، اس سے اس کے مثبت اور مخلص ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

زاہد کا لیا ناول کا ایک طاقتور مگر متنازع کردار ہے، جو سرمایہ دارانہ نظام اور سماجی منافقت کی علامت بن کر سامنے آتا ہے۔ وہ نوادرات کی اسمگلنگ کو ایک مقدس فریضہ سمجھتا ہے، جو اس کے مذہب، ثقافت، اور اخلاقیات کے تصور میں گہرے تضاد کو ظاہر کرتا ہے۔ زاہد کی زندگی دوہرے معیار کی عکاس ہے—ایک طرف وہ اخلاقی ضابطوں کو توڑتا ہے، دوسری طرف اسلامی نوادرات کے تحفظ

AL- ANFAL
SLOGAN HERE
Name of Journal: Al-Anfal
AL- ANFAL
SLOGAN HERE
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

کا دعویٰ کرتا ہے۔اس کا کردار طاقت، دولت، اور سماجی اثر ورسوخ کے ذریعے نظام کو کنٹرول کرنے والے عناصر کی ننگی حقیقت آشکار کرتا ہے۔اس کا "برادر عزیز" کہنا طنزیہ علامت کے طور پر اس کی اخلاقی گراوٹ کو ظاہر کرتا ہے۔مستنصر حسین تارڑ نے زاہد کالیا کے ذریعے زندگی کے فلسفے پر بات کی ہے، مگر ایک ان پڑھ، شرابی اور زانی کردار سے تاریخ کے فلسفے بیان کروانے کا انداز مشکوک معلوم ہوتا ہے۔بالخصوص جب مغرب آثارِ قدیمہ کے میدان میں کہیں آگے ہے، تو زاہد کالیا سے مغربی ماہرین کا نوادرات کی تصدیق کروانا غیر منطقی محسوس ہوتا ہے۔یہ کردار مضبوط ہونے کے باوجود کئی سوالات کو جنم دیتا ہے، خاص طور پر جب وہ تاریخ کے بارے میں بڑے دعوے کرتا ہے، جنہیں اس کی شخصیت کے تناظر میں قبول کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

> "یہ گندھارا کے مجسمے ہوتے ہیں یارا۔۔۔سندھی کڑھائی اور پنجابی کھیس ہوتے ہیں ہزاروں برسوں کی کمائی ہوتی ہے ہاتھوں اور آنکھوں اور دماغ کی۔۔۔تم لوگ دھیان ہی نہیں دے رہے۔پرواہ ہی نہیں کر رہے۔۔۔تم بنا شک جو مرضی آئے کر لو پر ملک تبھی قائم رہتے ہیں جب وہ اپنی ہزاروں برس کی کمائی کو قلعی بنا کر دیواروں پر سیاسی نعرے نہیں لکھتے۔xli"

اسی طرح مرزا قادیانی کے حوالے سے ڈاکٹر ارشد کا مذاق اڑاتے ہوئے زاہد کالیا اس کی انگلش گرامر کو تضحیک کا نشانہ بناتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نہ صرف انگلش پر عبور رکھتا ہے بلکہ اس کا ادیان کا مطالعہ بھی وسیع ہے۔جب کہ دوسری جانب یہ بظاہر بعید از قیاس دکھائی دیتا ہے۔

> "یار تیرے اس قادیان والے مرزے کی انگریزی کی گرائمر ہی درست نہیں تو وہ پیغمبر کیسے ہو سکتا ہے۔نہ نہ مائنڈ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، میں نے خود اس کی نظمیں پڑھی ہیں۔۔۔xlii"

ارشد کالیا ہی نہیں، پڑھے لکھے کردار، جن میں مشاہد بھی شامل ہے، وہ بھی بہت سے مقامات پر فلسفہ دان کے ساتھ تاریخ کے گہرے ادراک کا اظہار کرتے ہیں، قوموں کی شکست و عروج کی وجوہات جانتے ہیں اور یورپ میں موجود اس ہاسٹل میں جہاں اور مسلمان بھی بیٹھے ہیں، صرف یہی جواب دینے کا ہنر جانتے ہیں۔اس ضمن میں ناولوں کے کردار کچھ مصنوعی دکھائی دیتے ہیں۔امبر تو کا جواب دینے

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

کے لیے کہ فلسطینوں کو اس لیے قتل کر رہے ہیں کہ وہ اپنی زمین پر جو ان کی تاریخی زمین ہے، واپس چلے گئے ہیں مشاہد ایسے حقائق کی جانب اشارہ کرتا ہے جو ناقابل تردید ہیں۔ یہ حقائق ظاہر ہے یہودیوں کے لیے ناقابل برداشت ہیں۔

"تاریخ کا تسلسل برقرار رکھنے کی توجیہ تمھیں اور اسرائیلیوں کو بہت مرغوب ہے۔۔۔دنیا میں کب اور کہاں یہ تسلسل برقرار رہا ہے جو اسے جواز قرار دیا جائے۔۔۔اسے اگر قانون مان لیا جائے تو یہ بھی ایک غیر قانونی عمل ہوگا اور اس زمین پر بہت اتھل پتھل ہوگی۔ مجھے اپنا ملک دراوڑوں کے لیے چھوڑنا پڑے گا اور پورا امریکی کانٹینٹ خالی کردینا ہوگا انڈینز کے لیے۔۔۔xliii"

ڈاکٹر ارشد کا کردار اقلیتوں کی نمائندگی کرتا ہے جسے پاکستان بھر میں مسلسل نفرت کا سامنا ہے۔ ڈاکٹر ارشد قادیانی ہونے کے ناطے سماجی تعصب، مذہبی منافرت، اور ریاستی قوانین کے مضمرات کی عکاسی کرتا ہے۔ اس کی شادی اور بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے پر سزا ملنا قادیانی تنازعہ کے گرد موجود حساس موضوعات کو اجاگر کرتا ہے۔

بیگم بابر کا کردار معاشرتی منافقت اور اخلاقی زوال کی نمائندگی کرتا ہے، جبکہ عارفین اور نازنین کی المیہ داستان سماجی اقدار کی پامالی اور تقسیم کی تباہ کاریوں کو عیاں کرتی ہے۔ بابر کا خاندان طبقاتی تفریق اور عورت کی بے بسی کا استعارہ ہے۔ عارفین اور نازنین کے ساتھ پیش آنے والے واقعات سقوطِ ڈھاکہ کے اجتماعی المیے کی گہرائیوں کو اجاگر کرتے ہیں۔ اسی طرح مسز حسین کا کردار عورت کے استحصال اور سماجی مراتب کے استحکام میں عورت کے کردار پر روشنی ڈالتا ہے۔ وہ اپنے مفادات کے لیے تعلقات کو استعمال کرتی ہے اور اپنے شوہر کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ "راکھ" کے کردار فرد، معاشرہ، اور تاریخ کے بیچ جدوجہد کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ کردار نہ صرف ذاتی کہانیوں کے عکاس ہیں بلکہ ان کے ذریعے قومی تاریخ کے اہم واقعات اور ان کے اثرات کو بیان کیا گیا ہے۔ ان کا نفسیاتی، سماجی، اور علامتی پہلو قاری کو ناول کے پیغام کی گہرائی تک پہنچنے میں مدد دیتا ہے۔

ناول کے تحریری اسلوب اور رموز واوقاف کا تنقیدی جائزہ پیش کیا جائے تو اس میں بہت سی جگہوں پر غیر ضروری طور پر نقاط لگا کر بات کو جاری کے لیے دکھایا گیا ہے حالانکہ وہاں ضرورت ہر گز نہیں ہے۔ یہ سارا عمل ناول میں جگہ جگہ پر دہرایا گیا ہے۔ اسی طرح اگلی بات کو اگلی سطر سے شروع کرنے کے بجائے سارے ہی ناول میں " " کا بار بار استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے ناول شعور کی رو

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

کی طرح ادھر سے ادھر گھومتا ہے اور بہت سے مقامات پر یہ شعوری کاوش سے ہی جاننا جاتا ہے کہ بات مکمل ہو چکی ہے اور اگلی بات شروع ہو چکی ہے اور نجانے کہاں سے گھوم کر وہ بات پھر سے شروع ہو جاتی ہے۔اس حوالے سے محض ایک دو نمونے دیکھیے :

"فارمن میموریل چیپل کی جرمن/سوس/آسٹرین طرز کی جیومیٹریکل
عمارت اپنے ارد گرد کے مشرق۔۔۔بلکہ مشرق کی بند کھڑکیوں،
ٹوٹے ہوئے شیشوں والے دروازوں۔۔۔لکڑی کی بالکونیوں اور اکھڑتے
پلستر کے درمیان ایک بے جوڑ پیوند تھی لوہاری چوک پر انارکلی کا اختتام
کھیر کی ایک وسیع پرات پر ہو رہا تھا جس میں دوکاندار۔۔۔سکوپ در سکوپ
کھیر نکالتا تھا۔xliv

ایک اور مثال دیکھیے:

سیاہ آنکھوں کی اوٹ سے برگیتا نے اپنے مرد کو دیکھا اور اس نے مسکراہٹ کو
لبوں پر آنے سے پہلے ہی سمیٹ لیا وہ ان عورتوں میں شامل تھی
عینک ساز اور پھلیرے۔۔۔لوہاری دروازہ مسلم مسجد کے نیچے
پھلیروں کی دوکانوں کے پہلو میں سے ایک تنگ راستہ شہر کی فصیل۔۔۔یا جو
کچھ ملبے اور بھربھری سرخ اینٹوں کی صورت میں یہاں۔۔۔کہیں وہاں
کھنڈر نما تھا اس کے گرد جو سبزے اور پانی تھے ان کی طرف نکلتا تھا
ایک زمانے مین وہاں سبزہ اور پانی تھے اور اب وہاں کچھ بھی نہ تھا
۔۔۔اس زمانے مین مشاہد موچی دروازے کی گھاٹی سے اترتے گوالمنڈی
چوک سے ذرا ادھر ایک مکان میں رہتا تھا۔۔۔وہ کیا اس کے والدین اور بہن
بھائی رہتے تھے۔۔۔xlv"

مذکورہ دونوں اقتباسات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نقاط(۔۔۔) اور جاری" "کی علامات کو کس بہتات کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے ناول کی پڑھنت میں ابہام پیدا ہوتا ہے۔اس ضمن میں ایک اور مثال دیکھیے۔

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

"منڈی یزمان اور پھر صحرا۔۔۔دسمبر کی سرد خاموشی میں صحرا کی راتیں
بھائی جان۔۔۔اور دریائے گھاگھرا کی خشک گزرگاہ میں صحرا کی راتیں
اور پھر ایک رات مجھے خیال آیا کہ مجھے کرسمس سے پیشتر لاہور پہنچنا
چاہیے۔۔۔لیکن میرا حساب غلط ہو گیا۔۔۔میں پہلے نہیں پہنچ سکا۔۔۔
"xlvi

ناول میں پنجابی کے غیر ضروری استعمال کا مسئلہ نمایاں ہے، جہاں ایسے الفاظ بھی شامل کیے گئے ہیں جن کے آسان اردو متبادلات موجود تھے، بغیر کسی معنوی تبدیلی کے۔ ناول میں عمومی سماجی رویوں پر طنز کیا گیا ہے، خاص طور پر مشرقی والدین کے اس رویے پر جو غیر موزوں رشتوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ مشاہد کو اچانک یورپ بھیج دیا جاتا ہے، جہاں اسے بیرسٹری کی تعلیم کے لیے کہا جاتا ہے، محض اس لیے کہ قائداعظم بیرسٹر تھے، یا ٹیکسٹائل انجینئرنگ میں بھیجنے کی تجویز دی جاتی ہے کیونکہ کسی جاننے والے کا بیٹا اس فیلڈ میں کامیاب تھا۔ سماجی تنقید کے تحت ان نوجوانوں کا ذکر بھی ملتا ہے جو بیرونِ ملک والدین کے پیسے ضائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں خالد ایک ایسا کردار ہے جو مشاہد کو بگاڑنے اور لڑکیوں کی لت لگانے پر مائل کرتا ہے۔ وہ ہر اوچھا ہتھکنڈا استعمال کر کے تعلقات بناتا، پاکستان سے رقم منگوا کر حرام کاموں میں ضائع کرتا، اور وقتی تعلقات کے لیے دھوکے سے شادیاں کرتا اور پھر چھوڑ دیتا تھا۔

"انگلستان کے پار کسی جرمن چرچ یا اطالوی کلیسا میں کسی جرمن یا اطالوی
لڑکی کے ساتھ کھڑا اسے شادی کی انگوٹھی پہنا کر "ڈش لینڈ اوپر آلس" یا
"آوے ماریا" وغیرہ گا رہا ہوتا تھا۔ (جیب میں) یہ انگوٹھیاں ہر اس بے
وقوف شاطر دوشیزہ کے لیے تھیں جسے وہ پہلی ملاقات کے بعد رات بارہ بجے
فون کر کے مسلسل آہیں بھرتا۔۔۔اگلے روز ہر تین گھنٹوں کے وقفے سے
پھولوں کے تحفے بھیجتا اور اس سے اگلے روز بڑی ہوئی شیو کے ساتھ آنکھوں
میں موٹے موٹے آنسو لا کر اعلان کرتا کہ وہ پچھلے تین روز سے سو نہیں
سکا۔"xlvii

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

ناول میں تہذیب کے ساتھ ساتھ گہرا سیاسی شعور بھی موجود ہے جس کی نمائندگی مستنصر نے کئی مقامات پر کی ہے۔وہ مسلمانوں کے تاریخی فیصلے،ان کی غلطیاں اور درستی اور موجودہ مسائل کو بخوبی ناول میں بیان کرتے جاتے ہیں۔یہودی لڑکا امبر تو جو آٹھ زبانوں پر عبور رکھتا ہے۔اسے سب سے زیادہ علم والا دکھایا گیا ہے۔حقیقت بھی یہی ہے کہ آج کل یہودی اپنی علمی قابلیت کی بنیاد پر آگے بڑھ رہے ہیں۔مسلمانوں کا علم وادب سے اب ویسا رشتہ نہیں رہا جیسا کہ ان کے عروج کے دور میں تھا۔اس کا من روم میں جہاں دنیا بھر کے طلبہ کو اکٹھا دکھایا گیا ہے، بنیادی طور پر اسے اقوامِ متحدہ کا نقشہ پیش کیا گیا ہے جہاں مسلمانوں کی بات سب سے کمزور ہے اور ساری بڑی قوتوں یکجا ہیں۔ان میں امبر تو کے ساتھ جیک میکدوگل، رولینڈ وغیرہ سبھی کو اس کے خلاف دکھایا گیا ہے اور مسلمانوں کی بربادی پر اکٹھی خوشی مناتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

"دی ایر بز دے آر اس نے میز پر مکا مار کر اعلان کیا اور پھر ہتھیلی پھیلا کر سب کی جانب دیکھا " وہ اتنی تیزی سے ہتھیار ڈال رہے ہیں کہ اسرائیلی فوجی ان کے ہتھیار اٹھا نہیں سکتے۔۔۔ہم صحرائے سینا میں پیدل چلتے ہوئے سیر کرتے گئے ہیں۔۔۔وہ بھیڑوں کی طرح بھاگ گئے۔میرے لفظ یاد رکھنا اگلی صدی اسرائیل کی ہے۔xlviii"

رولینڈ ایک فرانسیسی لبرل تھا لیکن سویز کی نیشنلائزیشن نے اس کی لبرل ازم کا گلا گھونٹ دیا تھا اور وہ اپنی اس آبائی جائداد کی واپسی کے لیے مصر کی مکمل تباہی اور بیشتر عربوں کو مار ڈالنے کے حق میں اب قانونی اور اخلاقی جواز پیش کرنے میں سب سے آگے تھا اور مشاہد کے بیان پر نہ صرف متعجب ہوا تھا بلکہ اسے شدید دکھ پہنچا تھا۔

" دی از فرنچ" اس نے کندھے سکیڑ کر کہا "ناصر ایک لٹیرا ہے۔ہم اسے قانون توڑنے کی سزا دے رہے ہیں۔ سبق سکھا رہے ہیں ۔دیٹس آل xlix"

اپنوں کی غداری نے ہمیشہ شام و مصر اور فلسطین پر ظلم ڈھائے ہیں۔ایسی ہی ایک خبر اس کے کانوں تک پہنچی تھی جس میں سوائے دکھ اور درد کے اور کچھ بھی نہ تھا۔یہاں موجودہ تناظر میں دیکھا جائے تو فلسطین پر ہونے والے مظالم کے خلاف کون سا اسلامی ملک کھڑا ہے؟ اور کیا دیگر اس کا ساتھ دے رہے ہیں؟ کیا مسلمان کبھی زندگی میں اکٹھے ہو سکیں گے اور ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر دیگر اسلامی ممالک

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

کا اس طرح ساتھ دے سکیں گے جس طرح عالمِ کفر اکٹھا ہے؟ یہ سب سوالات ناول کی معنویت کو مزید بڑھا دیتے ہیں۔ بالخصوص مستنصر کا یہ خیال کہ اسرائیل آہستہ آہستہ عرب ممالک کو خود میں ضم کرتا جائے گا، اس جانب اشارہ کرتا ہے کہ اسرائیل اس خواب کی تکمیل میں دن رات لگا ہوا ہے۔ فلسطین اور لبنان کے حالات کسی سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ ایسے میں مصر کے حوالے سے حسین شہید سہروری کا عالمِ کفر کے اتحادیوں کا ساتھ دینے کا بیان، شدید تکلیف دہ ہے جسے بنا کسی لگی لپٹی کے مستنصر نے ناول میں بیان کر دیا ہے۔

> پاکستانی وزیر اعظم۔۔۔ حسین شہید سہروردی۔۔۔ مصر پہ اتحادیوں کے حملے کی حمایت کرتے ہوئے کہا ہے۔۔۔ اور انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ۔۔۔ نہر سویز۔۔۔ دے پاکستانی پریمیئر سیڈ۔۔۔ ایں ڈ زیرو پلس زیرو از ایکل ٹو زیر۔۔۔ یہ ہمارے وزیرِ اعظم کو کیا ہوا ہے؟۔۔۔ کون زیرو ہے؟ سب عرب۔۔۔ ہم؟۔۔۔ کون زیرو ہے؟"[1]

ناول میں جہاں بیوروکریسی پر سخت طنز موجود ہے جس کا ذکر پہلے جا چکا ہے، وہیں نوابین اور امرا کے دوہرے معیار کی قلعی بھی کھل کر کھولنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ لوگ جن کی بیگمات دوسرے ممالک سے تعلق رکھتی ہیں، اولاد مغرب میں پڑھتی ہے اور اخباروں، چینلوں اور رسائل کے سرورق کی زینت بنتی ہے، ان کے قبرستان میں بھی کسی غیر یا کم تر حیثیت کے شخص کو آنے کی اجازت نہیں ہے کہ کہیں کسی خاتون کی بعد از مرگ بے حرمتی نہ ہو جائے۔ یہ معیار اس شاہی تدفین گاہ کے آخر مین ایک قبر کی جگہ خالی تھی۔۔۔ قبر کھدی ہوئی تھی صرف سنگِ مرمر کی سل اٹھا کر مناسب نواب کو اس کے اندر رکھنا اور پھر ڈھک دینا تھا۔۔۔ مٹی مٹی میں اور راکھ راکھ میں۔ اس شاہی قبرستان کو صرف وی آئی پیز اور مقامی اعلیٰ حکام یا غیر ملکی ہی دیکھ سکتے تھے کہ شاہی خاندان کی خواتین کے مقابر کو نامحرموں کی نظروں سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ البتہ ان کی تصاویر غیر ملکی میں بے خطر چھپ سکتی تھیں۔[li]

مستنصر اپنے اس ناول کے موضوع اور کرداروں کے حوالے سے کتنے کامیاب رہے ہیں، اس ضمن میں تنقید کرتے ہوئے ڈاکٹر قیصرہ ان کی کردار نگاری پر سخت تنقید کرتی ہیں۔ اس تنقید کو حقائق کے پیمانے پر جانچنے سے قبل ان کا بیان ملاحظہ کیجیے:

> تاریخ کا المیہ رقم کرنے کے لیے فعال اور بڑے کردار پیش کرنے پڑتے ہیں جبکہ راکھ میں ہمیں ایک بھی بڑا کردار نظر نہیں آتا۔ تاہم اس سے انکار نہیں کہ ان میں چند ایک کرداروں میں بڑا بننے کی صلاحیت ضرور موجود تھی۔

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

مثال کے طور پر مشاہد، مردان، برگیتا، شوبھا چاروں کردار ایسے ہیں کہ انھیں صحیح خطوط پر ابھارا جاتا تو ان میں اپنے اپنے تئیں بڑا ہونے کی گنجائش تھی لیکن شوبھا کو ناول نگار نے محض دل لبھانیوالا کردار بنایا ہے، جب کہ مروان کو ایک گنجلک اور نفسیاتی مریض کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ جب کہ اس ناول کے بیشتر کرداروں کا سب سے بڑا مسئلہ جنسی بے چینی ہی نظر آتی ہے۔ حد یہ ہے کہ جنسی جبلت کا یہ غلبہ انھیں مریض کے طور پر پیش کر رہا ہے۔lii

ڈاکٹر قیصرہ کے بقول ناول میں سماجی تاریخ کا شعور کا بھی فقدان دکھائی دیتا ہے۔ اگر حقیقت نظری سے دیکھیں تو یہ ناول کسی صاحبِ اختیار کے گرد نہیں بنا گیا بلکہ یہ وہ راکھ ہے جس کے بارے میں مستنصر اور بیشتر ناقدین نے کہا ہے کہ تقسیمِ ہندوستان کے بعد اڑی۔ ایسے میں متاثرین عام انسان تھے، بڑے صاحبِ اقتدار نہیں تھے۔ صاحبانِ اقتدار تو اس چکی میں پسے ہی نہیں۔ اس لیے مستنصر نے اپنے کمزور اور طاقت ور کرداروں کے ذریعے سماج کا ایک عمومی نقشہ پیش کیا ہے۔ اس کا اظہار وہ اپنے مصاحبوں میں بھی کر چکے ہیں۔ ہمارا اردو کا ناول شاید اس بات کا متقاضی ہو کہ اس میں کسی کردار کو مرکزی کردار بنا کر پیش کیا جائے لیکن عالمی سطح پر دیکھا جائے تو کہانی در کہانی کا چلن عام ہے اور کوئی ایک کردار ایسا عموماً کم ہی ملتا ہے جس پر سارا ناول لکھ دیا جائے۔ اس ضمن میں گیبریل گارشیا مارکیز کے ناولوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ مستنصر اپنے ناولوں میں اس سے کسی حد تک متاثر بھی نظر آتے ہیں۔

حوالہ جات:

1۔ صلاح الدین درویش، ڈاکٹر، مقالہ "اردو ناول میں تہذیبی شناخت"، اسلام آباد: مخزونہ علامہ اقبال اوپن لائبریری، 2010، ص: 403

ii بادشاہ ملک، سیّد ڈاکٹر، پاکستانی اردو ناول میں رومانوی رجحانات (تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ)، مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی (اُردو)، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد فروری ۲۰۱۸ء، ص: 246

iii مبین مرزا، ہم کہاں قسمت آزمانے جاتے، مقالہ: مستنصر حسین تارڑ کی ناول نگاری: چند تاثرات، مشمولہ: آبشار، شمارہ نمبر 4، سہ ماہی، اردو سخن پاکستان، لیہ، ص: 12

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

iv قیصرہ ناہید، ڈاکٹر، اردو ناول کے اسالیبِ بیان (تحقیقی و تنقیدی جائزہ) مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو، لاہور: اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، 2020ء، ص: 10-307

v محمد ثقلین، اردو ناول میں سیاسی مباحث، مخزونہ، جی سی یونیورسٹی، 2009 لاہور 231

vi بادشاہ ملک، سیّد ڈاکٹر، پاکستانی اردو ناول میں رومانوی رجحانات (تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ)، مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی (اُردو)، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد فروری ۲۰۱۸ء، ص: 245

vii مستنصر حسین تارڑ، راکھ، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2015ء، ص: 106

viii مستنصر حسین تارڑ، مصاحبہ، قرۃ العین طاہر، مستنصر حسین تارڑ سے گفتگو، مشمولہ: تسطیر، شمارہ نمبر 009۔ جولائی۔اگست 1999ء، مشمولہ: مدیر: نصیر احمد ناصر، لاہور، ص: 35

ix محسن خالد محسن، امامہ ریاست، مستنصر حسین تارڑ کا ناول "راکھ" بعداز تقسیم؛ نومولود پاکستانی معاشرت کا تخریجی نوحہ۔ خصوصی مطالعہ، ترجیحات، جلد نمبر 3، شمارہ نمبر 9-10، ستمبر تا دسمبر 2023ء، ص: 30

x محمد افضال بٹ، ڈاکٹر، اردو ناول میں سماجی شعور، اسلام آباد: پورب اکادمی، 2009ء، ص: 329

xi ڈاکٹر ناہید قمر، اردو ناول میں تاریخیت اور نوتاریخیت، ص: 82

xii مستنصر حسین تارڑ، (انٹرویو)، مطبوعہ: تسطیر، لاہور۔ جولائی۔اگست 1999ء، ص: 35، مشمولہ: شمارہ نمبر 009 مدیر: نصیر احمد ناصر۔ قرۃ العین طاہر، مستنصر حسین تارڑ سے گفتگو

xiii ایضاً، محولہ بالا نمبر 7، ص: 73

xiv ایضاً، محولہ بالا نمبر 7، ص: 99

xv ایضاً، محولہ بالا نمبر 7، ص: 98

xvi ایضاً، محولہ بالا نمبر 7، ص: 102

xvii ایضاً، محولہ بالا نمبر 7، ص: 409

xviii محمد مبشر رضا نقوی، ڈاکٹر، سید، مستنصر حسین تارڑ کے ناولوں میں دریاؤں کی تہذیب و معاشرت، مشمولہ: متن اردو ریسرچ جنرل، جلد نمبر 3، شمارہ نمبر 2، 2022ء، ص: 153

xix ایضاً، محولہ بالا نمبر 7، ص: 163

xx ایضاً، محولہ بالا نمبر 7، ص: 164

xxi ایضاً، محولہ بالا نمبر 7، ص: 171

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

xxii سلمیٰ اسلم،ڈاکٹر، مستنصر حسین تارڑ کی تحریروں میں تاریخ، تہذیب اور ثقافت کی بازیافت، مشمولہ: خیابان، پشاور: یونیورسٹی آف پشاور، شمارہ نمبر 5، 2017

http://khayaban.uop.edu.pk/Shumaray/36_Bahar_2017/05_mustensar-hussain-tarrar-ke-tehroon-main.html

xxiii مستنصر حسین تارڑ، (انٹرویو)، مطبوعہ: تسطیر، لاہور۔ جولائی۔ اگست 1999ء، ص: 33، مشمولہ: شمارہ نمبر 009 مدیر: نصیر احمد ناصر۔ قرۃ العین طاہر، مستنصر حسین تارڑ سے گفتگو

xxiv ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، اردو ناول کے ہمہ گیر سروکار، کراچی: انجمن ترقی اردو، 2008ء، ص: 202

xxv ایضاً، محولہ بالا نمبر 7، ص: 74

xxvi ایضاً، محولہ بالا نمبر 7، ص: 287

xxvii ایضاً، محولہ بالا نمبر 7، ص: 290

xxviii ایضاً، محولہ بالا نمبر 7، ص: 232

xxix ایضاً، محولہ بالا نمبر 7، ص: 230

xxx ایضاً، محولہ بالا نمبر 7، ص: 14

xxxi ایضاً، محولہ بالا نمبر 7، ص: 83۔84

xxxii ایضاً، محولہ بالا نمبر 7، ص: 30

xxxiii ایضاً، محولہ بالا نمبر 7، ص: 480

xxxiv ایضاً، محولہ بالا نمبر 7، ص: 484

xxxv ایضاً، محولہ بالا نمبر 7، ص: 485

xxxvi ایضاً، محولہ بالا نمبر 7، ص: 493

xxxvii ایضاً، محولہ بالا نمبر 7، ص: 494

xxxviii ایضاً

xxxix ایضاً، محولہ بالا نمبر 7، ص: 58

xl ایضاً، محولہ بالا نمبر 7، ص: 400

xli ایضاً، محولہ بالا نمبر 7، ص: 179

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 2 No. 4 (2024)

xliiایضاً، محولہ بالا نمبر7، ص:176

xliiiایضاً، محولہ بالا نمبر7، ص:292

xlivایضاً، محولہ بالا نمبر7، ص:310

xlvایضاً

xlviایضاً، محولہ بالا نمبر7، ص:32

xlviiایضاً، محولہ بالا نمبر7، ص:224

xlviiiایضاً، محولہ بالا نمبر7، ص:232

xlixایضاً، محولہ بالا نمبر7، ص:232

lایضاً، محولہ بالا نمبر7، ص:239

liایضاً، محولہ بالا نمبر7، ص:408

liiقیصرہ ناہید، ڈاکٹر، اردو ناول کے اسالیبِ بیان (تحقیقی و تنقیدی جائزہ) مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو، مخزونہ، لاہور: اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، 2020ء، ص:10-307